National Press Urdu Story Readers
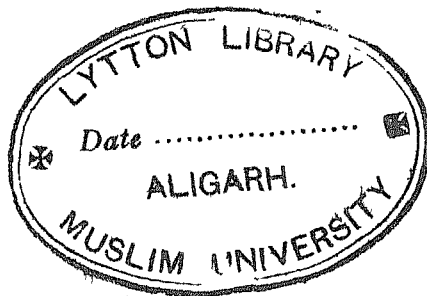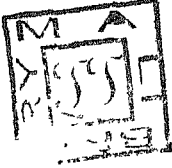
ALLAHABAD
RAM NARAIN LAL
1924

نیشنل پریس اردو اسٹوری ریڈرز

(۱)

ہزار داستان

مولفہ

حامد اللہ افسر - بی - اے

الہ آباد

لالہ رام نراین لعل

بکسیلر و پبلشر

قیمت ۱۲؍   ۱۹۲۴   بار اول

فہرست مضامین

نمبر شمار — مضامین — صفحہ

ہزار داستان

۱۔ قُقنس اور فاختہ

ایک قُقنس جو مدتوں سے عرب کے جنگلوں میں رہتا تھا ایکمرتبہ
انسانی آبادی کے بہت قریب آیا اور اس نے ایک فاختہ کو دیکھا جو

اپنے گھونسلے میں پر پھیلائے اُن کے نیچے اپنے بچوں کو لئے بیٹھی تھی۔
ققنس نے فاختہ کو نفرت آمیز لہجہ میں مخاطب کرکے کہا۔

"غریب فاختہ! تیری حالت قابل رحم ہے، رات دن گھونسلے میں پڑی رہتی ہے۔ بال بچوں کی فکر دامنگیر ہے۔ گھر بار کے جھگڑوں میں گرفتار ہے۔ دُنیا میں تجھے صرف دو کام ہیں یا تو انڈے سینا یا پھر بچوں کو پالنا اور اُن کے لیئے دانا دُنکا اکٹھا کرنا، تو اپنی ساری طاقت ایک کمزور اور ناتواں نسل کے برقرار رکھنے میں صرف کر دیتی ہے مجھے نہیں دیکھتی کہ میں دُنیا میں کیسی آزاد زندگی بسر کرتا ہوں، نہ کسی چیز کی فکر ہے نہ کسی بات کا غم، دنیا بھر کے قیمتی مصالحے میری خوراک ہیں۔ ہوا میں اونچا اُڑتا ہوں اور جب آدمی مجھے اس طرح اُڑتا ہوا دیکھتے ہیں تو بہت متعجب ہوتے ہیں اور جہاں تک نظر آؤں برابر دیکھتے رہتے ہیں"۔

پھر یہ کیسی بات ہے کہ میں کسی کا پابند نہیں، جہاں چاہے جاؤں، جہاں چاہے رہوں، نہ بال بچوں کا غم نہ یار دوست کی فکر اور پانچ سو سال تک اسی طرح زندگی بسر کرنے کے بعد بھی مرتا نہیں بلکہ غائب ہو جاتا ہوں اور میرا ایک جانشین میری خاک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بلا پالے پوسے نشو ونما پاتا ہے میں اصل میں آفتاب عالمتاب کا نمونہ ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میں اُسکی طرح تن تنہا اور بے مثال ہوں۔

فاختہ نے جواب دیا اے ققنس! مجھے تجھ پر اس سے زیادہ رحم آتا ہے۔ جتنا تجھے مجھ پر آتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غیر آباد

جنگلوں میں تنہا رہکر تجھے دُنیا میں کیا راحت و آرام مُیسّر آسکتا ہے ؟
نہ تیری مادہ ہے کہ تجھ سے محبت کرے، نہ بچے ہیں جو تیرا دل بہلائیں۔
ایسی حالت میں طول طویل عمر کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اگر بقا بھی اِن شرایط
کے ساتھ نصیب ہو تو اُس پر لعنت ہے۔

ہم سے تو یہ دن رات کی آفت نہیں اُٹھتی
اے خضر مبارک ہو تجھے تو ہی جیئے جا

میں جانتی ہوں کہ میری عمر کم ہے اسی لئے جہاں تک میرے
امکان میں ہے اُسے راحت و آرام سے بسر کرنے کی کوشش کرتی ہوں،
بقائے نسل میں منہمک ہوں، میرا شریک زندگی مجھ سے محبّت کرتا ہے،
انسان مجھے پیار کرتا ہے۔ آفتاب سے تو نے خود کو خوب ملایا، اے
نادان ! دُنیا کی جسقدر ہستیاں ہیں وہ نہ صرف اُن سے مختلف ہے
بلکہ اس قدر برتر و افضل ہے کہ خود کو اُس سے مشابہ سمجھنا عقل سے
بے نیازی کا ثبوت دینا ہے۔
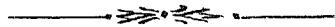
۲- رہگذر

کیا تم کبھی کسی بڑے شہر میں ایک ایسی سڑک سے گذرے ہو جس پر بہت سے آدمی آجا رہے ہوں ؟

دونوں طرف سے کسقدر کثرت سے لوگ آتے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اتنے آدمی ایسے تنگ راستے سے نہ گذر سکیں گے لیکن سب کے سب بلا رُکے بلا توقف کئے برابر اُدھر سے اِدھر اور اِدھر سے اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں ۔

اگر ہر شخص ٹھیک سیدھی لکیر قائم کرکے سیدھا اُس پر چلے تو چند قدم چل کر کسی دوسرے راہگیر سے مٹ بھیڑ ہونا یقینی ہے ۔ ایک دوسرے کو ڈھکیلے گا ۔ ایک آدھ گرے گا ۔ ایک آدھ آگے بڑھیگا ۔ غرض ساری سڑک پر ایک آفت بپا ہو جائیگی ۔

یہ سب باتیں اس لئے پیش نہیں آتیں کہ ہر ایک تھوڑے بہت ایثار سے کام لیتا ہے ۔

ہر وہ شخص جو جانتا ہے کہ سڑکوں پر کس طرح چلنا چاہئیے تنکر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر راستہ طے کرنے کے بجائے ذرا احتیاط سے ، دوسرے راہگیروں کا خیال رکھتے ہوئے ، ہاتھ نیچے کو ڈالکر ہر طرف

کو دیکھتے ہوئے، کبھی داہنی طرف کو چلتے ہوئے کبھی بائیں طرف کو غرض اِس طرح سے کہ خود بھی چل سکے اور دوسروں کو بھی چلنے کا موقع دے راستہ طے کرتا ہے۔

یہی زندگی کی رہگذر کا حال ہے۔

دُنیا میں زندگی کے دن کاٹتے ہوئے ہزارہا دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ملتے ہیں جنکی عادتیں ہم سے بالکل متضاد ہیں۔ مختلف رائے رکھتے ہیں اور مختلف رُجحان طبع، اور کچھ ایسے ہیں جو ہماری خوشیوں اور ہماری دلچسپیوں میں رخنہ زن ہوتے ہیں، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ دُنیا کی سڑک ہر ایک کے لئے یکساں کھُلی ہوئی ہے اور اس لئے ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ہم لوگوں سے یہ امید رکھیں کہ وہ ہمارے واسطے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اپنا ہرج کرینگے، بالکل ایسے ہی جیسے ہم اوروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اپنا ہرج نہ کرینگے۔

ایسی صورت میں اگر ہم تھوڑا بہت ایک دوسرے کا خیال رکھ کر اور تھوڑے بہت ایثار سے کام لیکر زندگی بسر نہ کریں تو دُنیا کے سارے کام چوپٹ ہو جائیں اور صبح شام برابر جھگڑے اور فضیحتے رہا کریں، اگر ہم صرف اپنی ہی دلچسپیوں اور اپنے ہی آرام و آسائش کا خیال رکھیں

تو نہ ہم اپنا مقصد پورا کر سکینگے اور نہ کسی دوسرے کا مقصد پورا ہونے دیں گے۔

مختصر یہ کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم استقلال اور خاموشی سے زندگی کی شاہراہ میں قدم زن ہوں، جہاں تک ہمارے امکان میں ہو کسی کے لئے رُکاوٹ پیدا نہ کریں، جتنا ہو سکے اپنے ہم سفروں کی خواہشات اور رجحانات کا خیال رکھیں اور زندگی کے سفر کو جسقدر آسان اور خوشگوار بنایا جا سکے بنائیں۔

۳۔ جیسے کو تیسا

ہاتھی کی عقل اور سمجھ کے متعلق بہت سے قصّے مشہور ہیں، کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ بھی بہت اچھا ہے اور برسوں بات یاد رکھتا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے درباری ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی کو ایک روز اُس کا مہاوت دریا پر پانی پلانے اور نہلانے کے واسطے لئے جا رہا تھا۔ راستے میں مہاوت کے کسی دوست نے اُسے ایک ناریل دیا۔ ناریل کا چھلکا باوجود ہزار کوشش کے نہ اُتر سکا، آخر مجبور ہو کر مہاوت نے ہاتھی کی پیشانی کی سخت ہڈی پر مار کر ناریل توڑ لیا۔

ہاتھی کی بابت کہا جاتا ہے کہ انسان کی طرح خوشی اور رنج کو

محسوس کرتا ہے، اگر تم اُس سے اچھا برتاؤ کرو اور اچھی طرح پر رکھو تو جو چاہے جو کام لے لو لیکن اگر تم اُسے فضول ستانا چاہو اور خواہ مخواہ تکلیف پہنچاؤ تو وہ برداشت نہ کر سکے گا، ذرا ذرا سی بات اپنے دل میں رکھتا ہے، اور جب موقع ملے بدلا لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

اُس واقعہ کو بہت دن گذر گئے۔ بات آئی گئی ہوئی، مہاوت کو تو پھر خیال بھی نہ آیا لیکن ہاتھی نے اُسے اپنے دل میں رکھا۔

کچھ عرصہ بعد ایک روز مہاوت اُسی طرح ہاتھی کو نہلانے لئے جا رہا تھا۔ بازار میں جاتے ہوئے جب ایک میوہ فروش کی دُکان کے پاس سے گذرے تو ناریلوں کا ڈھیر نظر آیا، ہاتھی نے سوچا کہ بدلا لینے

کا یہ بہت اچھا موقع ہے، آج میرا نمبر ہے، آج میں ناریل توڑونگا۔

یہ سوچتے ہی اُس نے اِکدم بہت سے ناریل اُٹھالئے اور اوپر کو سونڈ کرکے مہاوت کی کھوپڑی پر ایک ایک کرکے اسقدر زور سے ناریل رسید کئے کہ بیچارے کا سر پھٹ گیا۔

جب کبھی کسی کے ساتھ بدسلوکی کرو، یا کسی کو تکلیف پہنچاؤ تو سمجھ لو کہ جَیسے کو تَیسا موجود ہے اور اسکا بدلا تمھیں ضرور ملے گا۔

۴۔ فطرت اور تعلیم

فطرت اور تعلیم ایک روز ایک باغ میں مصروفِ سیر تھیں۔

فطرت نے تعلیم کو مخاطب کرکے کہا، بہن تعلیم! دیکھو۔ یہ صنوبر کے پیڑ کیسے خوبصورت اور سیدھے سچے ہیں، یہ سب میری عنایتوں کا طفیل ہے، لیکن ذرا ان بلوط کے درختوں کو تو دیکھو کیسے بے ڈھنگے ٹیڑھے میڑھے ہیں، بہن اِن کی یہ گت تم نے بنائی ہے، تم نے بہت بے ترتیب بیج بو دیے اور پھر نگہداشت نہ کی۔

تعلیم۔ نہیں، بہن فطرت! یہ بات نہیں ہے جسقدر مجھ سے ممکن تھا میں نے اُنکی نگہداشت کی ہے۔ مگر جب تم نے بیج ہی کسی کام کے نہ دیے تو میرے کئے کیا ہوتا۔

گفتگو نے زور پکڑا بحث تیز ہوئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ دونوں اپنی اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرنے لگیں، خوب بڑھ بڑھ کر باتیں بنائی جانے لگیں، غرض یہ کہ ایک نے دوسرے کو اپنی بزرگی اور برتری ثابت کرنے کے لئے طاقت آزمائی کا چیلنج دیا اور یہ طے ہوا کہ دونوں ایک ایک مخصوص درخت کی نگہداشت کریں اور باوجود اپنے مخالف کے نقصان رسانیوں کے اُسے اچھی حالت میں قائم رکھیں ۔

فطرت نے صنوبر کے ایک پیڑ کو پروان چڑھانے کا ذمّہ لیا اور تعلیم سے کہا کہ اسکے تباہ کرنے میں کسر نہ چھوڑنا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسے اس کی انتہائی حد تک پہنچا کر چھوڑونگی ۔ تعلیم نے ایک جنگلی سیب کا درخت چھانٹا اور اُسے بہتر سے بہتر بنانے کا ارادہ کر لیا ۔

دونوں اپنے اپنے کام میں مشغول ہوگئیں، جب فطرت صنوبر کے درخت کو خوب سرسبز کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو تعلیم نے ایک مضبوط رسی اسکی چوٹی پر باندھ کر اور اُسے بہت زور کے ساتھ نیچے کیطرف کھینچکر ایک عمدہ بلوط کے درخت سے باندھ دیا، صنوبر کا درخت خوب پھلا پھولا مگر سیدھا نہ چل سکا اور کمان کی طرح ٹیڑھا ہی رہا ۔

سیب کے درخت نے تعلیم کو بہت پریشان کیا ۔ بہتیرا کوشش کی کہ خوب پھلے پھولے اور خوبصورت معلوم ہو ۔ مگر سب فضول رہا فطرت نے

ایک شاخ اِدھر نکالی ایک اُدھر، ایک گانٹھ اِس طرف پیدا کر دی ایک اُس طرف، مگر ایک ٹہنی بھی ایسی نہ نکلی جو سیدھی چل سکے، تنا تو بے شک بہت اچھا اور توجہ کے بعد سیدھا رہا مگر اور ساری شکل و صورت بگڑ گئی۔

کچھ مدت بعد دونوں اپنی اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے لیے باغ میں آئیں۔ فطرت نے کہا "بہن تعلیم! بے شک میری انتہائی کوشش کو تباہ کر دینا تیرے اختیار میں ہے"۔ تعلیم بولی "بہن فطرت! تیرے خلاف عمل کرنا مشکل ہے مگر ہاں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی محنت اور کوشش کا پھل ضائع نہیں جاتا"۔

۵- آقا اور غلام

آقا- بے ایمان، ناحق شناس غلام! دوسری بار پھر تو نے میرے یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کی، کیا کوئی سخت سے سخت سزا ایسی ہے جس کا تو مستحق نہ ہو؟

غلام- میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جو کچھ میں کہونگا فضول ہوگا، اس لئے جو کچھ میرے مقدر میں ہے برداشت کرونگا۔

آقا- اب تجھے تسلیم کرنا چاہیئے کہ تو نہایت درجہ ذلیل اور ناشکرا ہے۔

غلام- میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں غلام ہوں۔

آقا - یہ تو کوئی جواب نہیں ہے - میں نے سمجھا تھا کہ تجھ پر جو احسان کیئے جائیں تو اُنکی قدر کرے گا - میں نے تجھے ہر قسم کا آرام پہنچایا - تجھے اچھے سے اچھا کھانے کو دیا، رہنے کو معقول مکان دیا، تجھ سے زیادہ کام نہ لیا، اور جب کبھی تو بیمار پڑا تیرے علاج اور تیمارداری میں کچھ کسر نہ چھوڑی -

غلام - آج تو مجھ سے اس طرح ہمکلام ہے جیسے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہونا چاہیئے، اِس لئے میں تیری باتوں کا جواب دینے میں ہرج نہیں سمجھتا، سُن ! تو نے میرے ساتھ کچھ سلوک نہیں کیا، تو نے میری آزادی لی - تیرا کوئی سلوک اس کی تلافی نہیں کر سکتا -

آقا - مگر میں نے تجھے تیری آزادی سے محروم نہیں کیا، تو اُسوقت بھی غلام تھا جب میں نے تجھے ایک معقول رقم دیکر خریدا تھا -

غلام - کیا خریداری کے وقت تو نے میری رضا حاصل کر لی تھی -

آقا - تیری مرضی کوئی چیز نہ تھی، تجھے اپنی خرید و فروخت میں دخل دینے کا حق ہی نہ تھا -

غلام - مجھ میں قوّت نہ تھی - مجھ میں زور نہ تھا، لیکن مجھے اپنی رضامندی یا نارضامندی کے اظہار کا حق ضرور حاصل تھا، مجھے میرے وطن سے دھوکا دے کر لایا گیا - زنجیروں میں جکڑا گیا - جہاز میں بٹھا کر یہاں اُتارا گیا - اور بازار میں جانوروں کی طرح فروخت کر دیا گیا، اِس تمام کارروائی

ہیں میرے خُداداد حقوق کیونکر جاتے رہے ۔

آقا ۔ لیکن انتظام عالم کے لئے یہ ضروری ہے، قدرت کا اقتضا ہے کہ ایک انسان دوسرے کا مطیع ہو کر رہے ۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہیگا، میں نے رواج کے مطابق عمل کیا ہے میں نے کسی کے رواج کی ابتدا نہیں کی، کسی رسم کی بنیاد نہیں ڈالی ۔

غلام ۔ لیکن اگر ایک لیٹرا تیرے گھر میں گھس آئے اور تیرے سینہ پر پستول رکھدے اور پھر یہی عذر پیش کرے تب کیا ہو؟ قدرت نے اُسے تیری زندگی اور تیرے مال و مطاع پر قابو طلب ہونے کی قوت دی ہے، اسی طرح قدرت نے میرے دشمنوں کو میری آزادی پر قابو حاصل کرنے کی قوت دی، لیکن اُسی کے ساتھ قدرت نے مجھے پاؤں دئے ہیں جنکی مدد سے میں موقع پاکر بھاگ جاؤں اور اُن کے استعمال سے مجھے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی، صرف یہی نہیں بلکہ مجھے اگر موقع ملے تو جو ظلم مجھ پر کئے گئے ہیں، اُن کا بدلا لینے سے مجھے کیا چیز روک سکتی ہے ؟

آقا ۔ احسان مندی، شکر گذاری، حق شناسی، یہ چیزیں تجھے ایسے خیالات سے دور رکھنے کے لئے کافی ہیں، میں نے جب سے تجھے خریدا ہے تیرے ساتھ نہایت درجہ رحم اور کرم سے پیش آتا رہا ہوں، کیا یہ برتاؤ

کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہے، ذرا سوچ تو سہی کہ اگر تجھے اور کوئی خریدتا تو تیرا کیا حال ہوتا اور وہ تجھے کس قدر بُری طرح رکھتا۔

غلام - تونے میرے ساتھ کوئی خاص سلوک نہیں کیا ہے، تونے مجھے اپنے مویشیوں کی طرح رکھا ہے، آخر انھیں بھی خوراک دیجاتی ہے، اُنھیں بھی اچھی طرح رکھا جاتا ہے، سردی، گرمی سے بچایا جاتا ہے، تو غلام اور مویشیوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ سب اپنے نفع کے لئے ہوتا ہے، اِس میں شک نہیں کہ تو اُنھیں اپنے پڑوسیوں سے زیادہ اچھی طرح رکھتا ہے لیکن اِس کی وجہ محض یہ ہے کہ تو اُن سے زیادہ دُور اندیش اور اُن سے زیادہ مالدار ہے۔

آقا - اور شاید اُن سے زیادہ رحم دل بھی ہوں۔

غلام - رحم دل! کیا خوب، کیا وہ شخص کسی طرح رحمدل کہلایا جاسکتا ہے جو اپنے بھائی انسانوں کو زبردستی اپنی غلامی میں رکھے، جو انھیں اُنکی مرضی اور اُن کی قوت آزادی کے استعمال سے محروم کردیں۔

آقا - لیکن میرا ارادہ تھا کہ میں تجھے نہ صرف اس موجودہ حالت میں آرام سے رکھوں، بلکہ آیندہ کے لئے بھی تیری امداد کا سامان کردوں اور تو ضعیف العمری میں بھی زندگی آرام سے گذارے۔

غلام ۔ افسوس! جس قسم کی زندگی میں بسر کر رہا ہوں ۔ اپنے وطن سے دور، دوستوں سے جُدا، اپنے عزیز و اقربا، دوست احباب سے علیحدہ ۔ کیا ایسی زندگی میں کبھی ضعیف العمری تک پہنچنے کا خیال آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، جسقدر جلد اس زندگی کا خاتمہ ہو بہتر ہے ۔

آقا ۔ تو شاید اب تجھے سوائے سختی اور ظلم کی زنجیروں کے اور کسی طرح روکے رکھنا ممکن نہیں ۔

غلام ۔ بے شک اُس شخص کا غلامی کی زندگی میں ایک منٹ بھی امن و آرام سے رہنا ممکن نہیں جو آزادی کی قدر جانتا ہے ۔

آقا ۔ لیکن اگر میں تجھے آزاد کر دوں تو کیا تو اِسے مہر و کرم سے تعبیر کرے گا؟

غلام ۔ بے شک انتہائی مہر و کرم سے تعبیر کرونگا، اگرچہ یہ ایک ظلم اور ناانصافی کی تلافی ہوگی، لیکن پھر بھی دُنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو انصاف کو اپنی مقصد برآری پر ترجیح دیں ۔

آقا ۔ اچھا میں نے تجھے آزاد کیا ۔

غلام ۔ اب میں حقیقت میں تیرا تابع فرماں اور مطیع ہوں ۔ اگرچہ غلام نہیں ہوں ۔ سُن آج میں تجھے تیری اِس عنایت اور مہربانی کے بدلے میں تیری زندگی کے متعلق کئی ضروری باتوں سے آگاہ کیئے

دیتا ہوں تجھے چاروں طرف سے تیرے دُشمنوں نے گھیر رکھا ہے اور وہ جسقدر جلد ممکن ہوا تجھ سے بدلا لینگے جسقدر غلام تیرے قبضہ میں ہیں تجھ سے سخت متنفر ہیں تو کیسی ہی مہربانی سے پیش آئے لیکن یاد رکھ کہ تو نے آزادی جیسی نعمت سے اُنھیں محروم کیا ہے اور دُنیا میں کوئی چیز اس کی تلافی نہیں کر سکتی، تو نے اِن سب کو بہائم سے بدتر بنا رکھا ہے اور اچھی سمجھ لے کہ گو وہ بہائم کی طرح ان سمجھ اور بے عقل نہیں ہیں لیکن اُن میں تیرے خلاف بہائم کی سی خونخواری اور درندگی موجود ہے۔ محض زبردست قوت انھیں قابو میں رکھ سکتی ہے اور جب یہ قوت کمزور پڑی تو پھر تو انکے قبضہ میں ہوگا، اور پھر انھیں کسی طرح تیرے اوپر رحم نہ آئیگا آقا اور غلام میں یہی رشتہ اتحاد ہے۔

۴ - انسان

مکالمہ - باپ اور بیٹا
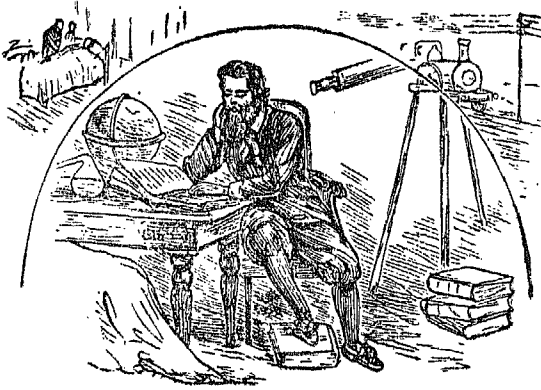
بیٹا - ابّا جان ! انسان کے متعلق آج مجھے کچھ باتیں سمجھا دیجئے۔

باپ - ہاں میں خود تمھیں سب سمجھانا چاہتا تھا، انسان کا شمار چوپایوں میں ہوتا ہے، اصل میں انسان کے ہاتوں اور چوپایہ کے اگلے پیروں میں بہت کم فرق ہے، اس کے علاوہ جسم کے اندرونی اور بیرونی ساخت میں بھی دونوں بالکل مشابہ ہیں، انسان اور چوپایوں سے محض اس حیثیت سے مختلف ہے کہ اُسے عقل سلیم عطا ہوئی ہے - انسان حیوان ناطق ہے -

بیٹا۔ میں نے اکثر لوگوں کو کہتے سُنا ہے کہ انسان ایک جانور ہے جس میں عقل ہے لیکن میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عقل کی صحیح تعریف کیا ہے۔

باپ۔ عقل وہ قوّت ہے جسکے طفیل سچ اور جھوٹ، صحیح اور غلط، مناسب و نامناسب میں تمیز ہوتی ہے اور واقعات و مقدمات سے نتائج نکالے جاتے ہیں، فرض کرو کہ ایک آدمی جنگل میں جارہا ہے، وہاں اسے ایک "کمان" نظر آئی، وہ اپنے ذہن میں اور کمانوں سے اِس کا مقابلہ کرتا ہے اور نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ ضرور آدمی نے بنائی ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ وہ مقام انسانوں سے آباد ہے۔ اُسے ایک جھونپڑی نظر آتی ہے اور اُس میں ایک آدھی جلی ہوئی لکڑی بھوبل میں دبی ہوئی ہے اور بھوبل ابھی بالکل ٹھنڈا نہیں ہوا ہے، اب اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں ضرور انسان آباد ہے کہ اور کوئی جانور اس طرح نہیں رہ سکتا۔

بیٹا۔ لیکن ابّا جان! اگر ایک کُتّا جو انسانوں میں رہا ہے اگر وہاں جائے تو یہ تو وہ بھی سمجھ لیگا کہ یہاں انسان رہتے ہیں۔

باپ۔ بے شک سمجھ لیگا اور یقیناً وہ بھی اس طرح نتائج اخذ کرے گا کہ جس جھونپڑی میں وہ رہتا تھا وہاں بھی آدمی رہتے تھے کیونکہ یہ جھونپڑی بھی اُسی طرح کی ہے اس لئے یہاں بھی آدمی ہی رہتے ہونگے،

لیکن اِس سے اُسے کوئی خاص نفع نہ ہوگا، جھونپڑی میں اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آیا، اب وہ کسی طرح یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ آدمی کو یہاں سے گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی، یا کس قسم کے آدمی یہاں رہتے ہیں، یا کس طرح انکا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

بیٹا۔ اِس سے تو یہ نتیجہ نکلا کہ انسان میں بہ نسبت جانوروں کے زیادہ عقل ہے، گویا جانوروں میں بھی عقل ہے گو انسان سے کم ہے۔

باپ۔ اگر صرف عقل کی تعریف پر نگاہ ڈالو تو یہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اگر عقل سے کام لینے کو دیکھو تو انسان کے شرف اور فضیلت کا اندازہ ہوگا اور بہ آسانی سے معلوم ہوجائیگا کہ انسان بہائم سے کسقدر مختلف ہے، ایک گفتگو ہی کو لو، کسی اور جانور کو یہ نعمت نہیں ملی ہے۔

بیٹا۔ لیکن جانور بھی تو مختلف قسم کی آوازوں سے ایک دوسرے کی بات سمجھ لیتے ہیں۔

باپ۔ روزانہ ضروریات اور خواہشات کا اظہار بے شک وہ آپس میں کرسکتے ہیں لیکن گفتگو نہیں کرسکتے، اور نہ واقعات اور ان کے نتائج یاد رکھ سکتے ہیں، انسان دوسرے انسانوں کے تجربات سے مستفید ہوتا ہے، کُتّے کی تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ آج کل بھی کُتّے اُسی طرح رہتے ہیں جیسے اب سے ایک ہزار سال پہلے رہتے تھے، لیکن

آجکل کے انسان اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ گفتگو اور تحریر سے (تحریر بھی گفتگو ہی ہے جسکا خطاب بجائے کان کے آنکھ سے ہوتا ہے) اپنی معلومات محفوظ کر لیتے ہیں اور ماضی کا علم مستقبل کے لیے شمع ہدایت ہوتا ہے۔

بیٹا۔ لیکن جانور بھی تو ضرور کچھ مستقبل کی بابت اپنے تجربہ سے نتیجہ نکال ہی لیتے ہیں، کیونکہ اکثر موسم سرما کے لئے خوراک کا سامان گرمیوں میں مہیا کر لیتے ہیں۔

باپ۔ جانور تجربہ سے نتیجہ نہیں نکالتے، وہ اپنے عمر کے پہلے ہی سال میں وہ کرتے ہیں جو اور آئندہ سالوں میں کرینگے، مشہور ہے مچھلی کے جائے کن تیراے، شہد کی مکھیاں اوّل ہی اوّل اپنے چھتّوں سے باہر آتی ہیں تو فوراً ہی ایک چھتہ بناتی ہیں اور شہد اکٹھا کرنا شروع کر دیتی ہیں حالانکہ وہ کسی طرح یہ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ یہ شہد کس کام آئیگا، اسی طرح بہت سے کام ہیں جو اور جانور انجام دیتے ہیں اور وہ بہت مفید ہوتے ہیں لیکن انکی بابت وہ جانتے کچھ نہیں، جانوروں کی اس قوّت کو میلان خلقی یا عقل حیوانی کہتے ہیں، انسان کو اس قوّت کا بہت ہی کم حصّہ ملا ہے اور سچ یہ ہے کہ اُسے اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔

بیٹا۔ آپ نے ابھی کہا تھا کہ انسان میں ترقی کرنے کا مادّہ ہے

لیکن بہت سی قومیں صد ہا سال تک وحشی رہی ہیں اور کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

باپ۔ انسان میں ترقی کرنے اور اپنی حالت کو بہتر بنانے کا مادّہ موجود ضرور ہے لیکن بہت سی ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو اسکی ترقی میں رُکاوٹ پیدا کر دیتی ہیں جن قوموں میں فن تحریر نہیں ہے ان کی اصلاح و ترقی مشکل ہے، پھر ایک اور بات جو ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے یہ ہے کہ معلومات میں اضافہ کرنے کا شوق ہو یعنی علم کا حصول محض علم کی خاطر، بہت سی وحشی قوموں میں اسکا پتہ نہیں، یا ہے تو بہت کم ہے، لیکن یہی ایک چیز ہے جس سے ہزاروں قسم کی ایجادیں اور دریافتیں ہوئی ہیں اور ممکن ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے جب لوگوں کو وہ تمام چیزیں جو ہماری تہذیب و ترقی کا طغرۂ امتیاز ہیں محض سامان جہالت معلوم ہوں اور وہ لوگ ہمارے متعلق تمام چیزوں کو اُسی نظر سے دیکھیں جس سے ہم پُرانے زمانے کے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔

۷۔ عادت کا اثر

ستیش اپنے باپ کو کسی سیاح کا "سفرنامہ" پڑھ کر سنا رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اس عبارت پر پہنچا۔

"جنوبی امریکہ یا اینڈیز پہاڑوں کا سلسلہ اب تک دنیا میں سب سے اونچا مانا جاتا ہے۔ اس کے اوپر تک پہنچنے کے لئے ایک سڑک ہے اور پہاڑ کی چوٹی اور تلہٹی کے درمیان قیام کے لئے ایک مکان بنا ہوا ہے جہاں مسافر آتے جاتے دم لینے کے لئے ٹھہرتے ہیں، کچھ کھاتے پیتے ہیں، آرام لیتے ہیں اور پھر چل نکلتے ہیں، یہاں قیام کرنے والے مسافروں کے حسیات میں ایک عجیب فرق نظر آتا ہے، جو لوگ اوپر سے اتر کر آئے ہیں وہ بہت کافی گرمی محسوس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں اپنے جسم پر کپڑے بار معلوم ہونے لگتے ہیں، لیکن جو لوگ نیچے سے اوپر چڑھ کر آتے ہیں اُن پر سردی کا بہت اثر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ گرم سے گرم تر کپڑوں میں لپٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں"۔

یہ پڑھکر ستیش نے باپ سے کہا "یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے"۔

باپ - اصل میں یہ عادت کی بات ہے، جسم پر عادت کے اثر کی یہ بہت ہی اچھی مثال ہے، چوٹیوں پر اس قدر سردی ہوتی ہے کہ لوگ ٹھٹھرے جاتے ہیں اور بمشکل موت سے بچ سکتے ہیں۔ اُن کے جسموں کو سردی برداشت کرنے کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ جب نیچے اُترنا شروع کرتے ہیں اور سردی کچھ کچھ کم معلوم ہوتی ہے تو وہ گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں اور ہوتے ہوتے جب آدھے رستہ پر اُس قیامگاہ تک پہنچتے ہیں تو انھیں ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ اچھی خاصی گرم آب و ہوا میں پہنچ گئے اب جو لوگ نیچے سے اوپر جاتے ہیں انکا حال بالکل اس سے مختلف ہے پہاڑ کی تلیٹی میں اس قدر سخت گرمی ہوتی ہے کہ جسم کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور ذرا سی ٹھنڈ بھی کافی محسوس ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی مسافر ایسی گرمی کے بعد اس منزل نیم راہی پر پہنچتا ہے تو اُسے بے حد سردی معلوم ہوتی ہے -

ستیش - کیا یہی کیفیت ہر بلند پہاڑ کی چڑھائی پر معلوم ہوتی ہے؟

باپ - ضرور، لیکن پہاڑ کی اونچائی پر نصف چڑھنے اُترنے میں جو وقت صرف ہو اس پر منحصر ہے، اور پہاڑوں ہی پر کیا ہے، اگر ایک شخص برف خانے سے باہر نکلکر آئے اور دوسرا لوہار کی بھٹی پر سے، تو اُن دونوں کی بھی وہی کیفیت ہوگی جو اینٹلز پر سے اُترنے چڑھنے والوں کی

ہوتی ہے۔ عادت کا اثر ہر حالت میں ہوتا ہے، جسم پر بھی اور روح پر بھی۔

فرض کرو، یہ واقعہ جو تم نے پڑھا ہے اسے ایک تمثیل سمجھ لیا جائے جس سے ایک روحانی حقیقت واضح کی گئی ہے، پہاڑ کی منزل نیم راہی کو انسانوں کا طبقہ اوسط سمجھ لو، اب ذرا غور کرو کہ جو لوگ مالدار اور رئیس ہیں وہ طبقہ اوسط کو کس نظر سے دیکھتے اور جو غریب اور بے زر ہیں وہ کس نظر سے۔

فرض کرو، ہمارے پڑوس میں جو راجہ صاحب رہتے ہیں انھیں کسی وجہ سے عیش و عشرت کی بلندیوں سے اُترنا پڑے اور بیچارے ہماری طرح زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ گاڑیاں اور گھوڑے بیچنا پڑیں۔ عالیشان محل اور اسکے پائیں باغ کو خیرباد کہنا پڑے، سوائے ایک ملازم کے اور کوئی خدمتگار بھی نہ رہے تو ذرا اندازہ کرو کہ راجہ صاحب کو اس سے کس قدر تکلیف ہوگی۔ بیچارے کیسی مصیبت میں گرفتار ہو جائینگے۔ راتوں کو نیند نہ آئے گی، اور یہی نہیں کہ یہ کیفیت صرف انھیں کی ذات تک رہے بلکہ دُنیا کو ان پر رحم آنے لگے گا، لوگ ان پر ترس کھانے لگیں گے اور زمانہ بھر کے نزدیک راجہ صاحب کے لئے یہ ایک ناقابل برداشت مصیبت ہوگی۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رُخ دیکھو، سامنے والی جھونپڑی میں

جو غریب مزدور رہتا ہے اگر اُسے کہیں سے اتنی جائداد ملجائے جس سے ہزار ڈیڑھ ہزار سالانہ کا منافع ہونے لگے اور اوسط درجہ کے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا تمام سامان مہیا ہو جائے رہنے کے لئے ایک معقول سا مکان ملجائے، پہننے کو اچھے خاصے کپڑے ملیں، دو چار ملازم بھی ہوں، تو وہ اُن چیزوں کو کس قدر خوش قسمتی کا باعث سمجھے گا، اُسے تو گویا دُنیا ہی میں بہشت کا لطف حاصل ہونے لگے گا، اب اگر حقیقت پر غور کرو تو یہ مزدور بھی آدمی ہے، راجہ صاحب بھی آدمی ہیں اور بچہ بھی اور تینوں میں بحیثیت انسان ہونے کے کوئی خاص فرق نہیں ہے فطرتاً سب کی خواہشات اور ضروریات بھی یکساں ہیں مگر پھر تینوں کس قدر مختلف ہیں اور یہ فرق بھی کسی طرح اس سے کم نہیں ہے جو لوگوں کو اینڈیز پر چڑھتے اُترتے محسوس ہوتا ہے۔

سٹیلش۔ بے شک۔

باپ۔ اور اسکا سبب بھی مطلق وہی ہے یعنی عادت کا اثر۔

سٹیلش۔ معلوم تو یہی ہوتا ہے۔

باپ۔ یہ سب سمجھ لینے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ عادتوں کو نہایت معقولیت کے ساتھ مناسب طور پر باقرینہ اور باقاعدہ بنالینا چاہئے اِسطرح کہ اگر زندگی میں تبدیلیاں واقع ہوں جیساکہ ہر وقت ممکن ہے تو اس کا

اثر محسوس نہ ہو اور بجائے نقصان کے فائدہ محسوس ہونے لگے۔

ستیش - لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیا راجہ صاحب کے لئے یہ مناسب ہو گا کہ وہ ہماری طرح رہنے لگیں یا ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم سامنے والے مزدور کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔

باپ - میرا یہ مقصد نہیں ہے، بے شک ایسا کرنا مشکل ہے میری مراد یہ ہے کہ ہمیں جسقدر آرام و آسائش نصیب ہے اُس سے اس طرح مستفید ہونا چاہئے کہ اگر آیندہ قسمت پھر جاوے اور یہ چیزیں ہمیں میسر نہ آسکیں تو ہم انکی عدم موجودگی زیادہ محسوس نہ کریں، اگر ہم کسی طرح یکدم بہت بڑے مالدار اور امیر کبیر بنجائیں تو اسکے لئے ہمیں کسی خاص قسم کی عادت ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، ایسی تبدیلی سے فائدہ اُٹھانا تو آسان ہے، معمولی کھانے سے مطمئن اور خوش رہنا، موسم کی بے اعتدالیوں سے نہ گھبرانا، کاہلی سے پرہیز کرنا اور کسی نہ کسی کام میں لگا رہنا، جہاں تک ممکن ہو اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنا اور دوسروں کی مدد کے بھروسے پر ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہ بیٹھے رہنا، یہ عادتیں ہیں جن سے ہم ایک حد تک مقدر کی ناسازگاری کے باوجود بھی زندگی آرام سے بسر کر سکتے ہیں۔

۸- دستکاری

(سہیل اور اُس کے چچا بشیر احمد خاں : مکالمہ)

سہیل - چچا جان ! آپ پرسوں کہہ رہے تھے کہ اب ہمارے مُلک میں بہت سے دستکار ہوتے جاتے ہیں، آج مجھے سمجھا دیجئے کہ دستکاری کسے کہتے ہیں -

خانصاحب - دستکار اُسے کہتے ہیں جو ہاتھ سے کچھ چیزیں بنائے دستکار دو فارسی لفظوں سے بنا ہے، دست اور کار یعنی ہاتھ سے کام کرنے والا، اِس لئے دستکاری پیداوار سے مختلف ہے، پیداوار قدرت کا عطیہ ہے جو بلا ہماری محنت کے ہمیں ملتا ہے، جیسے پھل، گیہوں وغیرہ -

سہیل - لیکن چچا گیہوں تو بڑی محنت سے پیدا ہوتا ہے آپ نے مجھ سے اکثر اس بات کو غور سے دیکھنے کے لئے کہا ہے کہ غریب کسان کو زمین جوتنے میں اور پھر بیج بونے میں کیسی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے -

خانصاحب - یہ بالکل ٹھیک ہے - لیکن کسان گیہوں بناتا نہیں - وہ گیہوں کے لئے زمین تیار کرتا ہے اور ایسی تمام چیزیں جو گیہوں کی پیداوار

ہیں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں دور کر دیتا ہے، لیکن کسان کسی طرح گیہوں بناتا نہیں۔ جب بیج پھوٹتا ہے اور گیہوں کا پودا اُگتا ہے تو اُسے کسان اپنے ہاتھ سے اوپر کو نہیں کھینچ لاتا اور جب بالیں لگتی ہیں اور انہیں گیہوں پھوٹتا ہے تو وہ بھی کسان کے بس سے نہیں، بلکہ قدرت کی عنایت سے۔

سہیل۔ اچھا تو گیہوں قدرت کا عطیہ ہے اور روٹی دستکاری کا نتیجہ۔

خانصاحب۔ اصل میں تو روٹی کا شمار انھیں چیزوں میں ہونا چاہیئے جو دستکاری سے ملتی ہیں لیکن اصطلاح میں یہ لفظ کسی ایسی چیز کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا جس میں اصل چیز قریب قریب بالکل نہ بدل گئی ہو۔

سہیل۔ اچھا تصویر کشی تو دستکاری میں شامل ہے۔

خانصاحب۔ نہیں تصویر کشی بھی دستکاری سے مختلف ہے۔ تصویر مصوّر کے ذاتی کمال کا نتیجہ ہے، ایک تصویر رنگوں کی مقررہ تعداد اور بنے ہوئے کپڑے یا کاغذ سے مل کر ہی تیار نہیں ہو جاتی۔ اس میں شک نہیں کہ ہاتھ ہی سے سب کام کرنا پڑتا ہے لیکن حقیقت میں تصویر میں جس قدر خوبیاں ہیں وہ سب دماغ سے وابستہ ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص تصویر میں آنکھیں بنائے، دوسرا ناک، تیسرا منہ۔ کل تصویر ایک ہی مصوّر بنا سکتا ہے۔ صرف ایک ہی مخصوص مصوّر اور کوئی نہیں، جو شخص جذبات اور تخیل

کی مدد سے کام نہیں لے سکتا وہ کبھی مصوّر نہیں ہو سکتا" اس تمام گفتگو سے نتیجہ یہ نکلا کہ مصوّر کا کام دستکار سے زیادہ وقیع اور نازک ہے۔

سہیل۔ چچا جان! مجھے دستکاری کی ایک مثال بتا دیجئے۔

خانصاحب۔ گھڑی سازی دستکاری ہے" چاندی، سونا، لوہا یا اور کوئی دھات جو اس میں استعمال کیجائے پیداوار ہے اور یہ صرف انسان کی عجیب وغریب دستکاری کا نتیجہ ہے کہ ان چیزوں کے بہت سے پہئے اور کمانیاں بنا ڈالیں جن سے ملکر گھڑی بنی۔

سہیل۔ اچھا چچا جان! کاشتکاری زیادہ مفید ہے یا دستکاری؟

خانصاحب۔ کاشتکاری یقیناً زیادہ مفید ہے کیونکہ سب سے پہلی ضرورت انسان کے لئے زندہ رہنا ہے اور جب تک پیٹ کو نہ ملے زندہ رہنا ممکن نہیں، لیکن اسکے بعد زندگی کی تمام ضروریات دستکاری سے میسّر آتی ہیں، فرض کرو سرد ملکوں میں گرم کپڑوں کے بغیر زندگی دشوار ہے۔ اب تم ہی جو کوٹ پہن رہے ہو وہ بھیڑ کے بالوں سے بنایا گیا ہے، یا فرض کرو کسی کو بھولے سے بھی خیال نہ آئیگا کہ شیشہ جیسی نایاب چیز ریت اور راکھ سے بن سکتی ہے، اگر کوئی شخص شیشہ کی صنعت سے آگاہ نہ ہو اور کوئی بڑے شیشوں کی دکان دیکھے تو سمجھے کہ گولکنڈے کا سارا خزانہ وہیں جمع ہے، اور خیال کرے کہ شیشہ کا ہر ٹکڑا شاہی تخت وتاج کی

زینت کے لئے ہے ' یا فرض کرو روئی کے پیڑ پر کپاس دیکھ کر کون سمجھ سکتا ہے کہ اس سے ایسے نفیس کپڑے بنائے جا سکیں گے ۔

۹ ۔ دو لٹیرے

(ایک سین کا ڈرامہ)

" سکندر اعظم ایک ڈیرے میں بیٹھا ہوا ہے ' ایک وحشتناک آدمی زنجیروں میں جکڑا ہوا اُس کے حضور میں لایا جاتا ہے "
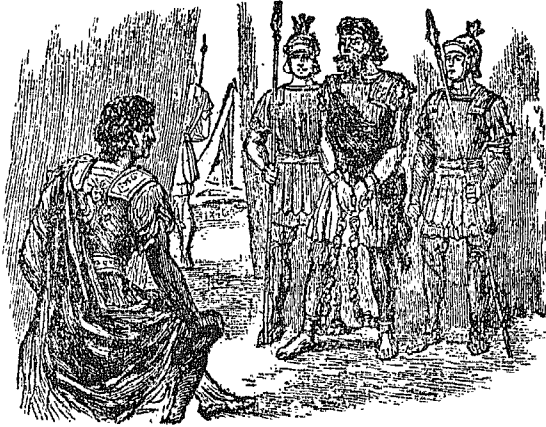
سکندر ۔ کون ؟ کیا تو وہی تھریس کا لٹیرا ہے جسکی لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے قصوں سے میرے کان بھر گئے ہیں ۔

لٹیرا ۔ ہیں ۔ ہاں میں تھریس کا ایک سپاہی ہوں ۔

سکندر۔ سپاہی! ۔ چور، ڈاکو، قاتل، ملک کی تباہی کا باعث۔
سُن! میں تیری بہادری اور جوانمردی کی عزّت کرسکتا ہوں لیکن تیری
حرکتوں سے مجھے نفرت ہے اور تجھے انکی سزا ملنا چاہیئے۔

لُٹیرا! کیوں ؟ میں نے ایسا کیا کام کیا ہے جو تیرے نزدیک نفرت
کے قابل ہے۔

سکندر۔ تونے! کیا تو نے میرے احکام کے خلاف ورزی حرکتیں
نہیں کیں، کیا تو نے خلقت کے امن چین میں رخنہ زنی نہیں کی اور کیا تو نے
بنی نوع انسان کو تکلیف پہنچانے میں اپنی انتہائی طاقت صرف نہیں کردی ہے

لٹیرا۔ سکندر میں تیرا قیدی ہوں، جو کچھ تو کہے مجھے سُننا پڑے گا،
جو سزا تو مجھے دے برداشت کرنا پڑیگی، لیکن تو اچھی طرح سمجھ لے کہ میری
روح آزاد ہے اور اگر تو مجھ سے اپنے سوالوں کا کوئی جواب سُننا چاہتا ہے
تو میں آزادی سے جواب دونگا۔

سکندر۔ ہاں آزادی سے بول، میں چاہتا ہوں کہ تو آزادی سے
گفتگو کرے۔

لٹیرا۔ اچھا تو میں ایک سوال ہی کے ذریعہ تیرے سوالوں کا جواب
دونگا، سکندر! تونے اپنی زندگی کس طرح گذاری ہے؟

سکندر۔ ایک بہادر سپاہی کی طرح، جا اور شہرت سے پوچھ وہ تجھے

بتائیگی ۔ بہادر اور دلیر لوگوں میں سکندر سب سے زیادہ بہادر اور دلیر رہا ہے، بادشاہوں میں سب سے زیادہ نیک اور بلند خیال بادشاہ رہا ہے اور فاتحین میں سب سے زیادہ زبردست اور قوی فاتح رہا ہے ۔

لٹیرا ۔ کیا شہرت میرے متعلق کچھ نہ بتائے گی کیا دُنیا میں کبھی ایسے زبردست گروہ کا مجھ سے زیادہ زبردست بہادر اور شجاع سردار ہوا ہے ۔

کیا ۔ لیکن نہیں مجھے شیخی سے نفرت ہے، تجھے خود معلوم ہے کہ میں آسانی سے تیرے قبضہ میں نہیں آیا ہوں ۔

سکندر ۔ لیکن اِن سب کے باوجود تو کیا ہے ؟ محض ایک لٹیرا ۔ ایک کمین، دغاباز، ذلیل لٹیرا ۔

لٹیرا ۔ اور ایک فاتح کیا ہے ؟ کیا تو تمام جہاں کو تباہ و برباد کرتا ہوا نہیں پھرا ہے ۔ کیا تو نے بنی نوع انسان کے امن و امان کو غارت نہیں کیا ہے ؟ تو نے دُنیا کو لوٹا، ڈاکے مارے، قتل کیا، تجھے کبھی کسی قانون کے توڑنے کا خیال نہیں آیا تو نے کبھی عدل و انصاف کا مفہوم نہ سمجھا، تیرے سینے میں حرص و طمع کی نہ بجھنے والی آگ کے شعلے مشتعل تھے، تیری آنکھیں دوسروں کے مقبوضات پر لگی ہوئی تھیں، اور یہ سب کس لئے تھا محض اپنی سلطنت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے ۔

میں نے جو کچھ ایک شہر، ایک قصبہ کے لئے، صرف سو سپاہیوں کی

مدد سے کیا وہی تو نے قوموں اور ملکوں کے ساتھ لاکھوں سپاہیوں کی مدد سے کیا، اگر میں نے معمولی افراد کو لوٹا تو تو نے راجاؤں اور بادشاہوں لوٹا ہے، اگر میں نے ایک جھونپڑی جلائی ہے تو تو نے روئے زمین کے پھلے پھولے اور بسے بسائے شہروں اور سلطنتوں کو پھونک دیا، پھر مجھ میں اور تجھ میں کیا فرق رہا، صرف یہ کہ تو ایک بادشاہ ہے اور میں ایک معمولی آدمی، اور تجھے مجھ سے زیادہ زبردست لٹیرا بننے کے موقع ملے۔

سکندر۔ لیکن اگر میں نے ایک بادشاہ کی طرح سلطنتیں چھینیں ہیں تو ایک بادشاہ کی طرح سلطنتیں بخشی بھی ہیں، اگر میں نے حکومتوں کو مٹا دیا ہے تو اس سے بڑی حکومتیں قائم بھی کردی ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے علم ادب، فلسفے، اور تجارت کو فروغ دیا ہے۔

لٹیرا۔ یہ میں نے بھی کیا ہے، میں نے جو کچھ رئیسوں اور امیروں سے لیا ہے وہ نہایت کشادہ دلی سے غریبوں کو دیا ہے۔ میں نے آفت رسیدوں کی مدد کی ہے، مصیبت کے ماروں کو پناہ دی ہے، میں تیرے فلسفے اور ادب سے واقف نہیں، ہاں اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اور تو نے دنیا کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

سکندر۔ جاؤ، میرے پاس سے جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو، اس کے ہاتھوں سے ہتکڑیاں نکال لو، اسے آزاد کردو (لٹیرا چلا جاتا ہے)

سکندر۔ کیا میں اس سے اِس قدر مشابہ ہوں ؟ کیا سکندر ایک لٹیرا ہے ؟ اب میں اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کرونگا ۔

۱۰۔ کشش ثقل

(مکالمہ ۔ باپ اور بیٹا)

بیٹا ۔ ابّا جان ! آج میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ سر اسحاق نیوٹن نے ایک سیب کو گرتے ہوئے دیکھ کر بہت سی اہم باتیں دریافت کر لیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیب کے گرنے میں ایسی کیا کرامت تھی ؟

باپ ۔ اس میں کوئی کرامت تو نہ تھی لیکن اتفاقاً اس واقع نے سر اسحاق کی توجہ اپنی طرف کھینچی گویا سیب کے گرنے نے انکے خیال کو مہمیز لگائی اور اسکے بعد غور و تفحص سے وہ بڑے بڑے نتائج پر پہنچے ۔

بیٹا ۔ آخر انھوں نے کیا سوچا ؟

باپ ۔ انکے دل میں سوال پیدا ہوا کہ سیب زمین پر کیوں گرا ؟

بیٹا ۔ یہ بھی کوئی بڑی بات تھی ۔ شاخ اس کا بار نہ سنبھال سکی کوئی سہارا باقی نہ رہا، اِس لئے سیب زمین پر گر پڑا ۔

باپ ۔ گر کیوں پڑا ؟

بیٹا ۔ اس لئے کہ کوئی سہارا باقی نہ رہا ۔

باپ ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکل آیا کہ سیب کو زمین ہی پر گرنا چاہیئے تھا، اچھا یہ بتاؤ کہ سیب جاندار چیز ہے یا بے جان ؟

بیٹا ۔ بے جان ۔

باپ ۔ کیا بے جان چیزیں خود بخود اپنی مرضی سے حرکت کرسکتی ہیں ؟

بیٹا ۔ بالکل نہیں، لیکن سیب تو اس لئے گرتا ہے کہ وہ گرنے کے لئے مجبور ہے ۔

باپ ۔ بالکل ٹھیک کہتے ہو، کوئی چیز اُسے گرنے پر مجبور کرتی ہے یا یہ کہ کوئی چیز اُسے اپنی طرف کھینچتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو سیب درخت ہی پر لٹکا رہتا، نیچے نہ گرتا ۔ حرکت کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو کوئی چیز خود متحرک ہو یا اُسے حرکت دی جائے ۔ سیب خود حرکت نہیں کرسکتا اس لئے کوئی چیز اُسے متحرک کرتی ہے، اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے سیب کو حرکت دی، یہی سوال تھا جس نے اس فلسفی کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔

بیٹا ۔ لیکن ابا جان ! اگر کوئی سہارا نہ ہو تو ہر چیز زمین پر گرتی ہے ۔

باپ ۔ ٹھیک ہے، اس سے ظاہر ہے کہ تمام چیزوں کے زمین ہی کی طرف گرنے کا کوئی خاص سبب ہے ۔

بیٹا ۔ آخر کیا سبب ہے ؟

باپ ۔ اب اسکے سمجھنے میں کیا دقت ہے، جتنی چیزیں زمین سے

الگ ہیں اگر وہ خود زمین کی طرف کو حرکت نہیں کرتیں تو زمین انھیں اپنی طرف کو حرکت کرنے پر مجبور کرتی ہے یعنی زمین انھیں اپنی طرف کو کھینچتی ہے۔

بیٹا۔ لیکن زمین بھی تو خود اُن چیزوں کی طرح بے جان ہے۔ پھر یہ کیونکر کسی چیز کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے؟

باپ۔ تم نے بہت اچھا سوال کیا، اس سے ہم اپنے مقصد کے قریب پہنچ جائینگے، سُنو، سر اسحاق نیوٹن نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ دریافت کیا کہ قدرت کا ایک قانون ہے جسکی رو سے ہر مادّی چیز ہر دوسری مادّی چیز کو اپنے حجم اور فصل کی مناسبت سے اپنی طرف کھینچتی ہے دو پتّھر کے ٹکڑوں کو میز پر رکھدو اگر کوئی اور چیز مانع نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کی طرف کو کھنچیں گے اور قریب تر آ جائینگے لیکن ان دونوں پتھروں کو میز بھی کھینچتی ہے اور زمین بھی اور جتنی چیزیں کمرے میں ہیں وہ سب بھی۔ اب سُنو، کُرہ زمین ٹھوس مادّے کا اس قدر بڑا مجموعہ ہے کہ کسی چیز سے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف نہایت زور کے ساتھ کھینچتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں زمین ہی پر گرتی ہیں اور اسی کو کشش ثقل کہتے ہیں، اسی کشش سے چیزوں میں وزن پیدا ہو جاتا ہے، جب ہم کوئی چیز اُٹھاتے ہیں تو اس کشش کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اسی لئے جس چیز کو اُٹھاتے ہیں اُس میں اس کے جسم کی مناسبت

سے وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ تم یہ سب سمجھ گئے ؟

بیٹا۔ جی ہاں میں اچھی طرح سمجھ گیا، یہ سب اسی طرح ہے جیسے مقناطیس سوئی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

باپ۔ لیکن وہ ایک خاص قسم کی کشش ہے جو لوہے اور مقناطیس ہی تک محدود ہے۔ مگر زمین کی کشش ہر چیز پر اپنا اثر رکھتی ہے۔

بیٹا۔ تب تو زمین مجھے اور آپ کو بھی اس وقت کھینچ رہی ہے۔

باپ۔ بیشک کھینچ رہی ہے۔

بیٹا۔ لیکن ہم پھر زمین ہی سے چپکے کیوں نہیں رہتے ؟

باپ۔ کیونکہ ہم جاندار ہیں، ہم اپنی مرضی سے حرکت کر سکتے ہیں اور ایک حد تک زمین کی کشش پر قابو حاصل کر لیتے ہیں لیکن یہ کشش ہی کا سبب ہے کہ ہم ایک میل یا ایک فٹ اوپر کی طرف نہیں کود سکتے۔

تم نے اس سے نتیجہ نکالا ہو گا کہ بعض اوقات ذرا ذرا سی چیزیں ایسے دل و دماغ پر جو ہر چیز کے متعلق سوچنے اور غور کرنے کا عادی ہو کیسا اثر کرتی ہیں۔

۱۱۔ سچی بہادری

تُم نے اکیلیز اور سکندر کی بہادری اور شجاعت کے بہت سے قصّے سُنے ہونگے اور تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس بہادری اور شجاعت ہی نے انھیں ڈر اور خوف کے احساس سے بلند کر دیا تھا اور اسی کے وسیلہ سے انھوں نے ایسے ایسے کارنامے کئے کہ آج تک ان کا نام لوگوں کی زبان پر ہے۔ دُنیا انھیں بہادر کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

لیکن اس لفظ کے کانوں میں پڑتے ہی عزّت و توقیر کا جذبہ جو ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے یہ دونوں ہستیاں اسکی مستحق نہ تھیں، اکیلیز کے وحشیانہ مظالم اس کے غصّہ اور انتقام کے جذبات یہ چیزیں اُسے اس معزز خطاب سے کوسوں دور لیجاتی ہیں، سکندر شان و شاوہ کے نشہ میں مست تھا، نخوت اور غرور میں اپنی ہستی کو بھول گیا تھا، عیش و نشاط میں غرق تھا اور یہی چیزیں تھیں جنکے لئے اُس نے لاکھوں بندگانِ خُدا کا خون بہایا، ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے جو کچھ کیا وہ محض اپنی ذات کے لئے تھا اور ذاتی اغراض ہی انکے تمام کارناموں کا سرچشمہ تھیں، لیکن ایک خودغرض آدمی کو بہادر کہنا اس لفظ کی توقیر کم کر دینا ہے۔ کوئی خودغرض آدمی بہادر نہیں ہوسکتا ۔

میں تمھیں حقیقی شجاعت اور سچی بہادری کے دو چھوٹے چھوٹے قصّے سناتا ہوں، یہ دونوں قصّے مُطلق سچے ہیں اور انکی صحت و درستی میں ذرا شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

تم نے غالباً مسٹر ہاورڈ کا نام سنا ہوگا، انکی یاد تازہ رکھنے کے لئے انکا ایک مجسّمہ سینٹ پال کی عبادت گاہ میں نصب کیا گیا ہے۔

مسٹر ہاورڈ کی زندگی بہادری کا حقیقی نمونہ تھی جیل خانوں کے انتظام کی اصلاح اور درستی اور قیدیوں کے آرام و آسائش کے لئے انھیں سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں قسم کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ گالیاں سُنیں، دھمکائے گئے، ڈرائے گئے لیکن ان کے قدم پیچھے نہ ہٹے، ان کی ہمّت نہ ٹوٹی اور جو راستہ اختیار کر لیا تھا اُسے نہ چھوڑا۔ جن دنوں مسٹر ہاورڈ جیل خانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے تو قیدیوں میں ایک خاص قسم کا بخار پھیل رہا تھا، یہ بخار متعدی تھا اور جو ایک بار اس میں مبتلا ہوا پھر جانبر نہ ہوسکا، اس کے پنجوں میں آنا گویا موت کے پنجوں میں آنا تھا۔

قیدی غریب بڑی مصیبت میں تھے، کوئی جیلخانہ کوئی محبس اس ظالم بخار کی زد سے نہ بچا تھا اور مسٹر ہاورڈ کا یہ حال تھا کہ جس جیلخانہ میں اس بخار کا زور سُنا سیدھے وہیں پہنچے اور جس طرح بھی ہوسکا غریب مریضوں کے آرام اور صحت کے لئے کوشش کی، مریضوں کو دیکھنے کے لئے انھیں

اکثر ایسی تاریک کوٹھریوں اور تہ خانوں میں جانا پڑا جہاں جیل کے محافظ
بھی ڈر کے مارے اُنکے ساتھ نہ گئے ۔
مسٹر ہارورڈ جیلخانوں کی حالت دیکھنے کے لئے ملکوں ملکوں
پھرے ، یورپ ، ایشیا ، امریکہ کے تمام بڑے بڑے جیلخانوں کا
معائنہ کیا اور اُن کے انتظام میں جو خامیاں تھیں وہ بتائیں اور ان کی
درستی کے لئے تجویزیں پیش کیں ۔
طاعون کے زمانے میں جیسی بے غرضانہ خدمتیں مسٹر ہارورڈ
نے کیں ہیں اسکی نظیر ملنا محال ہے ۔
آخر اسی طرح خلق خدا کی بے راگ نفع رسانی کے دوران میں
مسٹر ہارورڈ کسی مریض کی تیمارداری کرتے ہوئے بخار پیچھے لگا لائے اور
اسی بخار نے نسل انسانی کے اس سچے رفیق اور ہمدرد کی جان لی ۔
ہارورڈ حقیقی شجاعت اور بہادری کا علم بردار تھا ، اس نے
دُنیا سے دُکھ درد مٹا دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور خلقت
کی حفاظت اور خیر طلبی نے شجاعت کا تاج اسکے سر پہ رکھدیا جو کسی طرح
اُن جھوٹے موتیوں سے لدے ہوئے سرپوش سے کم نہیں ہے جو ایسے
بہادروں کے سر پہ رکھا گیا ، جنھوں نے نسل انسان کو تباہ و برباد کرنے
میں کسر نہ چھوڑی ۔

اب دوسرے بہادر کی داستان سنو ۔

اِسی شہر میں مدّت ہوئی ایک معمار رہتا تھا، اچھا خاصا دستکار تھا مگر بدقسمتی سے شراب کی لت لگ گئی تھی اِس عادت نے اُسے کہیں کا نہ رکھا، دن رات آبکاری میں پڑا رہتا تھا اور جو کچھ جہاں کہیں سے ملتا تھا سب شراب کی بھٹی میں جھونک دیتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں گھر بار کا خیال رکھنا اُس سے ممکن نہ تھا، بیوی بچّے مصیبت میں تھے مگر کرتے کیا ؟ بُرا بھلا کھا پہنکر جس طرح ممکن ہوتا گذر کرتے، اس معمار کے تیرہ چودہ برس کا ایک لڑکا تھا، یہ لڑکا صبح سے شام تک جو کچھ کماتا اگر اُسے باپ کی دستبرد سے بچا سکتا تو سیدھا ماں کو لاکر دیتا اور دُکھیاری ماں جیسے بن پڑتا جوں توں کرکے اِنھیں پیسوں میں زندگی کے دن کاٹتی ۔

جب باپ نشہ میں چور گھر میں آتا اور واہی تباہی بکنا شروع کردیتا تو یہی نیک لڑکا اُس کا غصّہ فرو کرنے کی کوشش کرتا اور جسطرح ہوسکتا اُسے بستر پر لیجاکر لٹا دیتا، غرض یہی چودہ برس کی جان سارے گھر کی امیدوں کا مرکز تھی ۔

ایک روز یہ آفت کا مارا لڑکا چونے کی پرات سر پر رکھے ہوئے سیڑھی پر چڑھ رہا تھا کہ اُس کا پیر پھسل گیا اور نیچے اینٹوں کے ڈھیر پر گرا ۔

ہر بلائے کمز آسماں خیزد خانۂ انوری تلاش کند

بہت چوٹ آئی بیہوش ہوگیا، سارا خون میں لت پت تھا، ٹانگ ٹوٹ گئی، لوگوں نے اٹھایا، منہ پر پانی کے چھینٹے دیے، ہوش آتے ہی جو لفظ اسکی زبان سے نکلے وہ یہ تھے "ہائے اب میری ماں کیا کرے گی"۔

یہ غریب مزدور کا لڑکا گودڑوں کا لعل تھا، لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا، تہذیب و ترقی کے مفہوم سے بھی اسکے کان آشنا نہ تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود حقیقی بہادری کے اوصاف اسکے اندر موجود تھے۔

۱۲۔ مکھیاں

(مکالمہ ۔ لیلاوتی اور اُس کی ماں)

لیلاوتی اور اُس کی ماں بیٹھی ہوئی کشیدہ کاڑھ رہی تھیں، لیلاوتی کو مکھیوں نے بہت تنگ کیا، کبھی اُس کے کان کے اِرد گرد بھنبھناتی تھیں کبھی اسکی ناک پر بیٹھتی تھیں، کبھی آنکھوں پر آخر لیلاوتی نے تنگ آکر اپنی ماں سے کہا "اماں! یہ مکھیاں کیوں پیدا کی گئی ہیں اُنکے بغیر دنیا کے کون سے کام بند تھے۔

ماں ۔ جیسے ہر چیز میں کچھ نہ کچھ بھلائی موجود ہے اور ہر چیز کسی نہ کسی مقصد سے پیدا کی گئی ہے اِسی طرح مکھیاں بھی ہیں، اِن سے بھی بہت سے فائدے ہیں ۔

لیلا ۔ اِن سے تو میرے نزدیک خاک بھی فائدہ نہیں بلکہ اور نقصان ہے، دیکھو تو سہی کس قدر پریشان کر رہی ہیں، رسوئی میں تو کچھ ٹھیک ہی نہیں، مسرانی کو کام نہیں کرنے دیتیں ۔

ماں ۔ مکھیاں بہت سی ایسی چیزیں کھا جاتی ہیں جن سے گندگی پھیلتی ہے ۔ اسکے علاوہ مکھیاں بہت سی چڑیوں اور مکڑیوں کی غذا ہیں۔

لیلا ۔ لیکن ہمیں صفائی رکھنے کے لئے اِن کی مدد کی ضرورت

نہ تھی ہم خود ھی سب صاف رکھ سکتے ہیں اور جہاں تک اس کا تعلّق
جانوروں کی غذا سے ہے میرے نزدیک تو بہت کم جانور مکّھی کو مُنہ لگاتے
ہیں، میں تو جانوں اِس سے زیادہ فضول چیز دُنیا میں کوئی نہیں ۔

ماں ۔ اچّھا فرض کرو کہ ایک مکّھی میں سوچنے اور غور کرنے کی قوّت
ہو اور وہ سوچے کہ " یہ انسان کس مرض کی دوا ہے، یہ دو پیروں پر چلنے والا
دیو ایک دفعہ میں اتنا سارا کھانا اُڑا جاتا ہے کہ مکّھیوں کی ساری فوج کے
لئے کافی ہو، اگر ہم کہیں بدقسمتی سے اِس کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں تو سیکڑوں
ہزاروں کو ذراسی دیر میں مار ڈالتا ہے اور ہمیں پر بس نہیں کرتا، یہ ظالم تو
سارے جانوروں کا دشمن ہے کسی کو دیکھ نہیں سکتا " اب بتاؤ تمہارے
پاس اس کا کیا جواب ہے ؟

لیلاوتی ۔ میں کہونگی کہ " اے مکھی ! تو بڑی بدتمیز ہے کہ اپنے سے
بہتر ہستی کی نسبت ایسی باتیں کرتی ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے
دُنیا میں جسقدر جانور ہیں سب اسکے لئے آسانیاں پیدا کرنے کو بنائے گئے
ہیں نہ کہ انسان ان کے لئے ۔

ماں ۔ مگر تمھارا یہ جواب ٹھیک تو نہیں ہے ۔ تُم نے ابھی کہا تھا
کہ مکّھیاں ہمارے کسی کام نہیں آتیں لیکن جب مکھیاں تمھارے جسم سے
خون پیتی ہیں تو معلوم ہوا کہ تُم یا یوں کہو کہ انسان مکّھیوں کے لئے بیکار

نہیں ہے ۔

لیلا ۔ یہی بات تو مجھے پریشان کرتی ہے ۔

ماں ۔ دُنیا میں اور بہت سے جانور ہیں جو اس قدر تکلیف دہ اور نقصان رساں ہیں کہ جس طرح بن پڑتا ہے ہم انھیں الگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے علاوہ زمین کا بہت سا حصّہ ایسا ہے کہ جہاں کوئی انسان نہیں رہتا اور صرف جانور ہی جانور آباد ہیں ۔ چرند پرند کیڑے مکوڑے سب ہی موجود ہیں، انسان کا پتہ نہیں ۔ یہ سب یقیناً انسان کو فائدہ پہنچانے اور اسکے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے نہیں بنائے گئے ۔ انسان کو تو وہ پاس تک نہیں آنے دیتے ۔

لیلا ۔ تب یہ سب جانور کس لئے بنائے گئے ہیں ۔

ماں ۔ یہ دُنیا میں خوش و خرم رہنے کے لئے بنائے گئے ہیں ۔ ہر جاندار کی خلقت سے پرمیشور کا منشا یہی ہے کہ وہ زندگی راحت اور مسرت میں بسر کرے، انسان ہو یا کوئی اور جانور، پرمیشور کی نظر میں سب یکساں ہیں اور سب کو اُس نے زندگی اسی لئے عطا کی ہے کہ مسرور و شادماں رہ کر وقت گزارا جائے ۔

لیلا ۔ امّاں! تب تو ہمیں مکھیوں کو نہ مارنا چاہیئے، چاہے وہ کیسی ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہوں ۔

ماں - یہ بھی مشکل ہے۔ کیونکہ عین زندگی بسر کرنے کے لئے اسکی ضرورت ہے، ہاں یہ نہ چاہئیے کہ ہم فضول اُنکی جان لیں بلکہ اگر ممکن ہو تو تھوڑی سی تکلیف برداشت کرلینا اس سے اچھا ہے کہ غریب بے بس اور کمزور جانوروں کا ایک دم خاتمہ کر دیا جائے، یوں تو ایک ذرا سا بچّہ بھی ایک زندگی کا خاتمہ کرسکتا ہے، لیکن اگر ساری دُنیا کے بادشاہ بھی ملجائیں تو کسی کو زندہ نہیں کرسکتے، ایک ضعیف العمر نیک مزاج آدمی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب کھانا کھاتے ہوئے اُسے ایک مکّھی نے بہت تنگ کیا تو اُس نے بڑی کوشش کے بعد اُسے پکڑ لیا اور جان سے مار دینے کے بجائے اُسے مُٹّھی میں دبائے رکھا اور کھڑکی کھول کر چھوڑ دیا اور کہا "جا! غریب مکھی! جا، میں تجھے ستانا نہیں چاہتا، دنیا میں اتنی گنجائش ہے کہ میں اور تو ایک دوسرے سے الگ رہ سکیں"۔

لیلا - کوئی بڑا ہی نیک آدمی تھا، لیکن امّاں کیا ایک جانور دوسرے جانور کو نہیں مار ڈالتا۔

ماں - کیوں نہیں، جانور تو زندگی ہی اس طرح بسر کرتے ہیں اِن میں بھی خلافت الاوفق کا قانون جاری ہے، جانوروں میں برابر جنگ رہتی ہے اور مضبوط اور زور آور کمزوروں کو مار ڈالتے ہیں اور جو اُن سے زیادہ زور آور ہیں وہ انکا خاتمہ کر دیتے ہیں، معصوم بکری تک جب گھاس

چرتی ہے تو سیکڑوں کیڑے مکوڑوں کو برباد کر دیتی ہے، جب ہم سانس لیتے ہیں اور ہوا ہمارے جسم میں داخل ہوتی ہے اور جب پانی پیتے ہیں تو ہزاروں جانیں ہمارے تصرف میں آتی ہیں۔

لیلا۔ لیکن اماں یہ تو بڑی عجیب بات ہے، جب سارے جانور خوشی اور مسرت سے زندگی بسر کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں تو پھر کیوں وہ اس قدر جلد تباہ ہو جاتے ہیں۔

ماں۔ مگر اُتنے مرتے نہیں جتنے پیدا ہوتے ہیں، ایک جانور کو دوسرے جانور کی موت کا باعث بنانے میں بھی پرماتما نے حکمت رکھی ہے، اب دیکھو مکھیاں گرمی کے موسم میں پیدا ہوتی اور اس قدر کثرت سے پیدا ہوتی ہیں کہ کونا کونا اُن سے بھر جاتا ہے، انھیں سے مکڑیوں کو خوراک ملتی ہے، ابابیلوں کا پیٹ بھرتا ہے اور بہت سے اور پرندوں کو رزق ملتا ہے، اس پر بھی وہ کم ہوتی نظر نہیں آتیں، اور جاڑے کے موسم تک لاکھوں اُڑتی پھرتی ہیں، اگر کوئی انھیں نہ کھاتا تو شاید وہ اس قدر کثرت سے پھیل جاتیں کہ ایک مکھی دوسری کو نگلنے لگتی۔

لیلا۔ تب تو اماں مکھیوں کو مکڑی کے جالے سے نکالنا کوئی رحم کی بات نہیں ہے۔

ماں۔ نہیں بالکل نہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے تم کسی ایسی

جگہ کے باشندے کو جہاں محض شکار پر زندگی بسر کرتے ہوں۔ شکار کرنے سے باز رکھّو اور اس طرح غریب کو بھوکا مارو، دونوں کے دونوں قانون قدرت کے مطابق عمل کرتے ہیں، مجھے ایک قصّہ یاد آیا۔ ایک برہمن تھا بڑا زاہد اور پرہیزگار، جیو ہتیا کے خیال سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے، ایک روز یہ برہمن گنگا کے کنارے بیٹھا ہوا عبادت کر رہا تھا اُس نے دیکھا کہ ایک پرند زمین پر بیٹھا ہوا کیڑے مکوڑے پکڑ کر جلدی جلدی نگل رہا ہے، برہمن بولا "ارے ظالم! تو اپنے ذرا سے مزے کے لئے کتنی جانوں کو ضائع کر رہا ہے" اتنے میں ایک شکرا بجلی کی طرح گرا اور اُس پرند کو پنجوں میں دبا کر اُڑ گیا، برہمن پہلے تو کچھ خوش سا ہوا کہ اُسے ظلم کا بدلا مِلا لیکن جب اِس پرند کے چیخنے کی آواز سُنی تو اِسے بڑا رحم آیا، اسی اثنا میں ایک باز شکرے پر جھپٹا اور غریب شکرے کو آدبوچا، برہمن نے سوچا " ہر فرعونے را موسیٰ " اِدھر ایک بن بلاؤ چٹان کے پیچھے سے لپکا اور باز کی گردن مروڑ کر قریب کی جھاڑی میں لے گیا اور اُس کا خون پینے لگا، برہمن ظلم اور اُسکے عجیب و غریب انتقام کے ہر دور پر پہلے سے زیادہ متعجب نظر آتا تھا کہ اسی عرصہ میں اُس نے دیکھا کہ ایک بڑا لمبا چوڑا شیر جھاڑی میں سے نکلا اور بن بلاؤ پر بجلی کی طرح آپڑا، خوف کا مارا برہمن بھاگنے ہی کو تھا کہ اُسے ایک انگریز شکاری نظر آیا جس نے گولی چلائی اور شیر کا خاتمہ کر دیا۔

۱۴۔ سُلطان کینیوٹ

اور اُسکے مصاحب

(ایک سین کا ڈرامہ)

(سلطان کینیوٹ شاہ انگلینڈ اور آسولڈ اور اوفا اُسکے مصاحبین، سمندر کا کنارہ، طوفان کا زور)

کینیوٹ ۔ میرے دوستو! تم مجھ سے اکثر کہا کرتے ہو کہ میں دُنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہوں، کیا تمھاری یہ راے صحیح ہے ؟

اوفا۔ جہاں پناہ! یہ بالکل صحیح ہے، اس میں شک کی گنجایش نہیں،

حضور دُنیا کے سب سے بڑے حکمراں ہیں۔

اوسولڈ۔ ہم سب حضور کے ادنیٰ غلام ہیں اور حضور کے پیروں تلے کی خاک کو بوسہ دینا ہمارے لئے فخر و ناز کا باعث ہے۔

اَوفا۔ نہ صرف ہم بلکہ دُنیا کی ہر چیز حضور کے اشاروں پر چلتی ہے، زمین حضور کی مطیع ہے، آسمان حضور کا خادم اور سمندر حضور کا تابع فرماں۔

کینیوٹ۔ کیا کہا، کیا سمندر بھی میری اطاعت کریگا؟ کیا یہ گستاخ موجیں میرا کہنا مانیں گی، کیا پانی کی یہ بے چین اور خوفناک لہریں میرے حکم سے ساکت و ساحت ہو جائیں گی؟

اَوفا۔ بے شک آقائے نامدار بے شک، حضور سمندر کے مالک و مختار ہیں، سمندر حضور کے جہازوں کو اپنے سینے پر لئے پھرتا ہے، سمندر سارے جہان کے خزانے حضور کے قدموں میں لاکر رکھتا ہے، یہ حضور کے دشمنوں کے لئے تباہ کن ہے لیکن حضور کو اپنا آقا سمجھتا ہے۔

کینیوٹ۔ دیکھو پانی برابر چڑھتا چلا آرہا ہے، پہلے سے کہیں زیادہ چڑھ گیا۔

اوسولڈ۔ بے شک جہاں پناہ! موجیں بڑھ بڑھ کر حضور کے قدم لیا چاہتی ہیں۔

کینیوٹ۔ اچھا ایک کرسی منگاؤ اور یہاں ریت پر رکھدو میں یہیں

بیٹھوں گا۔

اَوقا۔ حضور، یہاں تو پانی برابر چڑھا چلا آرہا ہے۔

کینیوٹ۔ ہاں، کرسی یہیں بچھائی جائیگی۔

اوسولڈ۔ (علیحدہ) خُدا جانے آج انھیں کیا ہو گیا۔

اَوقا۔ (علیحدہ) یقیناً ایسے خارج از عقل تو نہیں ہیں کہ ہماری باتوں کا یقین کر لیا ہو۔

کینیوٹ۔ اے شہ زور اور زبردست سمندر! میرے مصاحب کہتے ہیں کہ تو میری رعیت ہے اور یہ تیرا فرض ہے کہ تو میرے احکام مانے، اس لئے سن، میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اب آگے نہ بڑھ۔ اپنی موجوں کو پیچھے ہٹالے، دیکھ خبردار! میرے پاؤں نہ بھیگنے پائیں۔

اوسولڈ۔ (علیحدہ) شاہی احکام کو شاید کبھی اس سے زیادہ بہرے کانوں سے واسطہ نہ پڑا ہو گا۔

اَوقا۔ پانی برابر چڑھ رہا ہے۔

اوسولڈ۔ ایک پلٹے میں کرسی تک آجائیگا۔ اب یہاں ٹھہرنا عقل کے خلاف ہے۔

کینیوٹ۔ کیوں؟ کیا اب بھی تم سمجھتے ہو کہ سمندر میرا تابع فرمان ہے، اگر سمندر میری رعایا ہے تو بڑی نافرمان اور باغی رعایا ہے، دیکھتے

نہیں ہو کہ موجیں کیسی خشم آلود ہیں اور برابر میرے اوپر کو چڑھی چلی آرہی ہیں، ذلیل خوشامدیو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری لغو بیہودہ سرائیوں پر ایمان لے آیا ہوں۔ یاد رکھو کہ صرف ایک ہستی ہے جسکی فرمانبرداری کرنا سمندر کا فرض ہے، یہی ہستی زمین اور آسمان کی مالک ہے، بادشاہوں کی بادشاہ اور حاکموں کی حاکم ہے، صرف خدا ہے بزرگ و برتر ہی سمندر کو حکم دے سکتا ہے کہ "فلاں مقام تک تیری موجیں جاسکتی ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتیں"، بادشاہ کیا ہے محض ایک بے بس اور بے بنیاد انسان، لو اس تاج کو لے جاؤ میں اب اسے کبھی سر پر نہ رکھونگا، خدا کرے کہ جہان کے بادشاہ میری اس بے بسی سے اور ان بادشاہوں کے مصاحب تمہاری اس بے عزتی سے سبق سیکھیں۔

۱۴۔ اندر کے سات جنم

مدتیں گذریں کہ برہما ورت میں ایک شخص آندر نامی رہا کرتا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب دیوؤں اور پریوں کو انسانی معاملات میں دخل اندازی کا اختیار حاصل تھا جو غالبًا اب نہیں رہا ہے اور ان ہستیوں میں بڑی زبردست قوتیں موجود تھیں، یہ قوتیں بھی شاید اب زایل ہو گئی ہیں ۔

اندر نہایت خلیق اور حلیم تھا اور اہنسہ[۱] کے صحیح مفہوم پر عمل کرنا اپنا دھرم سمجھتا تھا، یہاں تک کہ ہر جاندار کی محض جاندار ہونے کی حیثیت سے عزت کرتا تھا ۔

آندر کو جانوروں کے رہنے سہنے اور زندگی بسر کرنے کے طریقے مطالعہ کرنے کا بڑا شوق تھا، اکثر وہ تن تنہا سنسان جنگلوں اور اُجاڑ پہاڑیوں میں رات بسر کرتا اور کسی چٹان کے نیچے یا کسی درخت کے اوپر بیٹھ کر ایسے جانوروں کی نقل و حرکت کو بغور دیکھتا جو رات کے وقت اپنا شکار ڈھونڈنے نکلتے ہیں، پھر جب صبح ہو جاتی تو رات کے شکاری اپنے اپنے غاروں اور بلوں میں گھس جاتے اور دن میں سیر و شکار کرنے والے جانور نکلتے اس دوران

۱؎ اہنسہ۔ یہ لفظ سنسکرت کا ہے (अहिंसा) کسی کی جان نہ لینا اور کسی کو کسی قسم کا دُکھ نہ دینا انسان کے اعلیٰ ترین فرائض میں داخل ہے ۔

میں آندر نے اپنے طبعی رحم اور کرم سے مجبور ہو کر اکثر کمزور اور بے بس جانوروں کو ظالم اور خونخوار جانوروں سے بچایا ہے۔

ایک روز اپنے معمول کے موافق وہ ایک درخت کے گدّے پر بیٹھا ہوا تھا، ایک چھوٹا سا بندر پیڑ کی ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر کود کر جانا چاہتا تھا، غریب اس کوشش میں ناکامیاب رہا اور زمین پر گر پڑا، پیڑ بہت اونچا تھا اور بندر بیچارہ ابھی بچہ تھا بہت زیادہ چوٹ آئی، ہلا جلا بھی نہ جاتا تھا، آندر نے دیکھا کہ اُس بندر کی طرف جب وہ غریب ایسی بے بسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا ایک زہریلا سانپ پھن پھیلائے ہوئے پھنکارتا ہوا آرہا ہے، آندر فوراً پیڑ پر سے اُترا اور اس بندر کو گود میں اُٹھا کر بھاگا اور اُسے پیڑ کی ٹہنی پر بٹھا دیا اسی اثنا میں سانپ بھنّنا کر آندر کی طرف لپکا اور اسکے پاؤں میں کاٹ لیا، اور جھومتا ہوا ایک طرف کو چلدیا، تھوڑی ہی دیر بعد اندر کے پیر پر اچھا خاصا ورم ہو گیا اور سارے جسم پر زہر کا اثر معلوم ہونے لگا، کمزوری بڑھنے لگی، سارا نیلا پڑ گیا اور موت قریب نظر آنے لگی۔

اسی اثنا میں اُسکے کانوں میں درخت کے اوپر سے انسان کی سی آواز آئی، آندر کو بڑا تعجب ہوا، مُنہ اُٹھا کر دیکھا تو جس ٹہنی پر اس نے بندر کو بٹھایا تھا وہاں ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی نظر آئی، حیران رہ گیا، عورت نے آندر کو مخاطب کر کے کہا "آندر مجھے بڑا افسوس ہے کہ

میرے حال پر رحم اور مہربانی کا نتیجہ تیری تباہی کا باعث ہو رہا ہے، سن! بندر کے سروپ میں پیر زندہ پری تھی جسکی تو نے امداد کی ہے، مجھے ہر سال

کچھ دن تک کسی جانور کی شکل میں رہنا پڑتا ہے آپ کے بندر کا روپ لیا تھا، اس میں شک نہیں کہ میں فانی نہیں ہوں لیکن اس میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر تو مجھ پر رحم کھا کر نہ بچاتا تو سانپ کے کاٹنے سے مجھے بیحد تکلیف پہنچتی، ہاں یہ بھی سن کہ مجھ میں تیرے جسم پر سے زہر کے ہلاک اثر کو دور کرنے کی قوت نہیں ہے لیکن اگر تو چاہے تو مجھ سے اپنے اگلے جنم کی بابت کوئی درخواست کر سکتا ہے، بول! کیا چاہتا ہے، جلد بول کہ پھر تیری زبان میں بولنے کی طاقت نہ رہے گی، بول اور مجھے موقع دے کہ میں اپنے سر سے تیرے احسان کا بار ہلکا کروں“۔

آندر نے یہ سب سنکر جواب دیا "اے جاہ و جلال والی پتر زندہ میں تیرے اس کرم کے لئے شکریہ کا ہدیہ پیش کرتے ہوئے عرض گذار ہوں کہ جتنے جنم مجھے دئے جائیں اُن سب میں میرے اندر عقل سلیم باقی رہے اور جب موت مجھے ایک جسم سے آزاد کرے تو میری روح جس دوسرے جسم میں داخل ہو وہ جوان ہو اور اس کے سارے اعضاء اور تمام قوتیں پختہ ہو گئی ہوں اور ہر بار مجھے بچپن کی بے کسی اور ناچاری کا شکار نہ بننا پڑے"۔

پری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "آندر! تیری یہ التجا قبول کی گئی" اسکے بعد پیڑ کی ایک شاخ توڑ کر اور اس پر کچھ دم کر کے آندر کی طرف پھینکی اور کہا اس شاخ کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر پکڑ لے آندر نے ایسا ہی کیا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

فوراً ہی اُس نے خود کو ہرنوں کے غول کے ساتھ ایک سرسبز و شاداب وادی میں چرتا ہوا پایا اُسے اپنی خوشنما صورت، چکنی ملائم اور گُدار کھال، خمدار نکیلے سینگ بے حد پسند آئے جس وقت صاف و شفاف چشموں پر جاکر پانی پیتا تھا اور ہری ہری گھاس چرتا تھا تو خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا، جب آندر دوڑتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوا میں اُڑ رہا ہے اور اس کے پاؤں زمین کو چھوتے بھی نہیں ہیں اسی طرح مدتوں تک بے فکری سے زندگی بسر ہوئی آخر ایک دن ہرنوں کے

اس غول کو شکاریوں نے گھیر لیا سب اِکدم گھبرا کر پہلے داہنی طرف کو بھاگے پھر بائیں طرف کو مگر کوئی گریز کی راہ نہ ملی کہ شکاری فوج در فوج چاروں طرف موجود تھے کیونکہ آج اس ملک کا بادشاہ مع اپنے مصاحبوں اور درباریوں کے شکار کے لئے آیا تھا، شکاریوں نے جو احاطہ بنا لیا تھا وہ رفتہ رفتہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ بادشاہ اور اُس کے ساتھیوں نے بے زبان ہرنوں پر تیر اندازی شروع کر دی، بہت سے زخمی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔

آندر اور اُسکے چند بچے کھچے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ جان بچنی مشکل ہے تو جس طرف شکاریوں کا احاطہ ذرا کمزور تھا اور زیادہ رُکاوٹ نہ تھی اِک دم اُس طرف کو جھپٹے، اگرچہ بہت سے ہرن اس کوشش میں مارے گئے لیکن پھر بھی اُن میں سے کچھ لوگوں کے سروں پر سے کود کر صاف نکل گئے، انھیں میں آندر بھی تھا، آندر قسمت کی یاوری پر مسرور ہوتا ہوا جا رہا تھا کہ ایک شاہین جسکو شکاری نے اسی مقصد کے لئے چھوڑا تھا تیزی سے بجلی کی طرح آندر پر جھپٹا اور اُس کے سر پر بیٹھ کر اپنی چونچ سے غضب کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں، اِس طرح اندھا ہو کر خوف اور ہراس سے پریشان آندر بدحواسی میں شکاریوں کے مجمع کی طرف ہو لیا آخر ایک شکاری نے بڑھکر اسکے پیٹ میں خنجر بھونک دیا اور آندر نے تھوڑی دیر تڑپ کر جان دی۔

جب موت کی کشاکش دور ہوئی تو آندر خود کو ہنسوں کے جھنڈ کے

ساتھ ہوا میں اُڑتے ہوئے پاکر بہت خوش ہوا، ہنسوں کا یہ جھنڈ شمالی
خطوں کی طرف گرمی کا موسم گذارنے کے لئے جا رہا تھا، اپنے ہلکے ہلکے پروں
کے سہارے ہوا کے سمندر میں تیرتے ہوئے آندر بیحد مسرور تھا جب نیچے کو
دیکھتا تھا تو میدان۔ پہاڑ۔ دریا اور جھیلیں نظر کے سامنے سے یکے بعد
دیگرے گذرتی ہوئی نظر آتی تھیں، رات ہونے آئی تو سارے ہنس زمین پر
اُتر آئے اور صبح ہوتے ہی پھر اپنی راہ لی، اسی طرح اُڑتے اُڑتے مختلف
قوموں سے آباد ملکوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے وہ ملک لیپلنڈ کی انتہائی
حدوں تک پہنچ گئے اور ایک بڑے دلدل پر جاکر قیام کیا جسکے چاروں طرف
گھنا جنگل تھا یہاں ہنس انسان اور دوسرے خونخوار جانوروں کی زد سے
محفوظ ہوکر کیڑے مکوڑے پر بے فکری سے زندگی بسر کرنے لگے۔

آندر بہت خوش تھا کبھی تیرتا کبھی غوطے لگاتا اور کبھی اُڑتا غرض اسی
طرح بڑے لطف سے وقت گذارتا تھا، اُس وسیع جنگل کی خوب سیر کی اور
اُسکے تاریک سے تاریک ترکونوں تک پہنچا۔

ایک دن آندر اپنے ساتھیوں سے الگ ہوکر تنہا جنگل کی طرف کو ہولیا،
ایک لومڑی نے جو تاک میں بیٹھی تھی اِسے آدبوچا مگر خوش قسمتی سے یہ اُس کی
پکڑ سے چھوٹ گیا، اگرچہ کچھ پر ضرور ٹوٹ گئے۔

گرمی کا موسم ختم ہونے کے قریب آیا تو مرغان آبی گروہ در گروہ جنوبی

اطراف کی سمت روانہ ہونے شروع ہوئے کہ موسم سرما کسی گرم سرزمین پر گذاریں۔ ہنسوں کا وہ جھنڈ بھی جس میں آندر شامل تھا سویڈن، پولینڈ اور ٹرکی مرکو ہوتا ہوا ایشیا ے کوچک میں پہنچا، اور یہاں جاڑوں کے شروع تک قیام پذیر رہا، اس مقام کی آب و ہوا معتدل تھی مگر ہنسوں کے پیٹ پالنے کا سامان یہاں کم تھا اس لئے انھیں قرب و جوار کے کھیتوں میں اکٹھے ہو ہو کر جانا پڑتا تھا۔ ایک گیہوں کے کھیت پر جب انکے بہت سے حملے ہوئے تو کھیت کے مالک نے مجبور ہو کر ایک جال لگا دیا جس میں آندر اور اُس کے کچھ ساتھی جا پھنسے، اپنے کھیت کا ناس کر دینے والوں پر کھیت کے مالک کو ترس کیونکر آتا، ایک ایک کرکے سب کی گردن مڑوڑ دی ۔

اب کی بار آندر نے خود کو ایک قوی ہیکل ہاتھی کی جون میں لنکا کے وسیع جنگلوں میں پھرتا ہوا پایا، تن و توش میں اس قدر تبدیلی دیکھ کر آندر بہت مفتخر ہوا، یہاں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرسبز و شاداب میدانوں میں بڑے شان و شکوہ کے ساتھ مصروف سیر رہنے لگا، ہاتھیوں کے گلّے بے خوف و خطر درختوں کی ہری بھری ڈالیاں اپنی سونڈ سے توڑتے اور دو پہر بھر گہرے دریاؤں میں نہاتے تھے اور گھنے جنگل میں درختوں کے سہارے رات گذارتے ۔

ایک روز آندر تیرہ و تار جنگل کی گھنی جھاڑیوں میں گھس گیا یہاں اُسکی

نظر ایک شیر پر پڑی جو ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھا تھا' شیر کی آنکھوں سے
آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور وحشت اور غصّہ کے آثار اُسکے چہرے سے
ظاہر تھے' اگرچہ یہ شیر بڑا قدآور تھا لیکن ہاتھی کے مقابلہ میں اس کا جسم کچھ
بھی نہ تھا وہ ایک پیر رکھدے تو اسکا کچلا ہو جاوے' مگر اسکے باوجود اُسکی
خونخوار آنکھیں اور خوفناک صورت اور خشم آلود دھاڑ سے آندر کچھ ڈرا اور لوٹنا
چاہا لیکن اتنے ہی میں شیر اکدم اِس کی طرف جھپٹا۔ آندر نے پھُرتی سے اُسے
اپنے دانتوں پر اُٹھا کر دور پھینک دیا' پہلے تو شیر گر کر کچھ مبہوت سا رہ گیا
مگر پھر اکدم دوبارہ جھپٹ کر آندر پر دوگنی طاقت سے حملہ کیا' آندر نے پھر
اُسے پھینک دیا' اب شیر نے ادر حملہ کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور سیدھا
جنگل کی طرف کو ہولیا' آندر اپنے ساتھیوں میں واپس آگیا لیکن اب اپنے
بھاری بھر کم جسم اور بے اندازہ قوت پر بھروسہ کم ہو گیا۔

تھوڑے دن بعد آندر اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جنگل کے حدود سے
باہر مکئی کے ایک کھیت میں جا گھُسا' ہاتھیوں نے سارے کھیت کا ستیاناس کر دیا
کچھ کھایا اور کچھ پیروں سے کچلا' آخر وہاں کے باشندوں کو خبر ہوئی
اُنھوں نے بھیانک آوازوں اور مشعلوں کی مدد سے انھیں جنگل کی طرف
بھگا دیا' ہاتھیوں کی ان حرکتوں کے خوف سے وہاں کے باشندوں نے
ارادہ کر لیا کہ انھیں سے چند ہاتھیوں کو پکڑیں گے چنانچہ اُنھوں نے

بھاری بھاری بلم گاڑ کر درختوں کی مدد سے ایک بڑا سا گھیرا بنایا، اِس گھیرے کو آگے کی طرف سے تنگ کرتے گئے، یہاں تک کہ صرف ایک ہاتھی کے گذر جانے کا راستہ رہ گیا اب اِنھوں نے چند ہتھنیاں جو اس کام کے لئے سدھائی گئیں تھیں چھوڑ دیں، یہ ہتھنیاں آسانی سے کئی ہاتھیوں کو اِس گھیرے کی طرف اپنے پیچھے لگا لائیں، آذر سب سے پیش پیش تھا اور یہی غریب پہلے گھیرے کے اندر گھس کر جال میں جا پھنسا، جب کئی ہاتھی اس طرح پھنس گئے تو شکاریوں نے رسّوں اور زنجیروں سے اُنھیں خوب جکڑ دیا اور برابر تین روز تک بھوکا مارا، آخر جب بھوک سے بیتاب ہاتھیوں کی حرکتوں سے ظاہر ہوا کہ اب انکا جنگلی پن اور وحشت کچھ کم ہو گئی ہے تو اُنھیں ایک ایک کر کے اُس گھیرے سے نکالا گیا اور ایک، ایک کو دو دو پلاؤ ہاتھیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا، اِس کے بعد اُنھیں علیحدہ علیحدہ اصطبلوں میں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ بالکل پلاؤ ہاتھیوں کی طرح سیدھے سادھے ہو گئے۔

تھوڑے دن بعد آذر معہ اپنے پانچ ساتھیوں کے ہندوستان کے ایک مہاراجہ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا، یہاں اُسے بہت سی نئی نئی باتیں سکھائی گئیں، اسکی کمر پر ہودے رکھ کر لوگ بیٹھتے تھے، تو پھر اور بھاری بھاری بوجھ کھینچنے پڑتے تھے اسکے علاوہ اُسے حکم کے ساتھ اُٹھنا اور بیٹھنا

تعظیماً آقا کے سامنے جُھک جانا اور اشاروں کو سمجھنا سکھایا گیا۔ غرض اسی طرح ایک مُدّت تک وہ بڑے آرام سے رہا۔ اچھے سے اچھا کھانے کو ملا اور جب کبھی کوئی رسم منائی جاتی یا بیاہ رچایا جاتا تو آنذر کو خوب زرق برق پوشاک پہنائی جاتی تھی۔

آنذر کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ مہاراجہ کسی دوسری حکومت سے برسرِ پیکار ہوئے لڑائی کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور آنذر اور اُسکے چند ساتھی میدان میں لائے گئے، انکی کمر پر سپاہی مع سامان جنگ کے سوار تھے آخر غنیم کی فوجیں نمودار ہوئیں اور آنذر کو مع چند اور ہاتھیوں کے آگے بڑھایا گیا اور انکی ہمّت اور استقلال سے دشمن کے چھکّے چھوٹ گئے، اسی اثنا میں آنذر کے گولی لگی اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا، دانت کا ٹوٹنا تھا کہ آنذر سخت گھبرایا اور بدحواس ہوکر پیچھے کو لوٹ پڑا اور اس تیزی سے بھاگا کہ کسی طرح نہ رُک سکا، سیکڑوں آدمیوں کو پیروں تلے کچل ڈالا، جب آنذر کسی طرح قابو میں نہ آیا تو ہاتھی بان نے آنکس سے کام لیا اور خُدا جانے خنجر سے اسکی کون سی رگ کاٹ دی کہ غریب بےدم ہوکر زمین پر آرہا۔

زندگی کے اس نئے دَور میں آنذر کو سخت حیرت ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اسکا جسم ہاتھی سے بھی کئی درجہ بڑا ہے کیونکہ ابکی بار وہ سمندر کی

وسیع گہرائیوں میں مگر مچھ کی صورت لیکر دُنیا میں آیا۔ جب وہ تیرتا تو اُسکی دُم سے سمندر کے پانی میں بھنور پڑ جاتے تھے، اپنا چوڑا چکلا منہ کھولکر آندر اُس میں پانی بھر لیتا اور سطح پر آکر اُسے اُچھالتا تو یہ معلوم ہوتا کہ ایک چشمہ اُبل رہا ہے۔ سمندر کے اور باشندے اسکے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے، آندر چھوٹے آبی جانوروں کے ڈھیر کے ڈھیر نگل جاتا اور اُسے خبر بھی نہ ہوتی کہ کوئی چیز نگلی ہے، آندر کو خیال آیا کہ اس بھاری بھر کم جسم سے یہ تو بڑا فائدہ ہے کہ چھوٹے موٹے جانور نہ ستا سکیں گے، میری قوت و طاقت کا مقابلہ مشکل ہے، یہ سوچکر مفتخرانہ انداز سے آندر نے ایک ڈفن بھری اور آنا فاناً میں کوئی ایک میل پر جاکر نکلا، ابھی آندر اچھی طرح سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس نے اپنے قریب ہی ایک مچھلی دیکھی جسکے منہ میں ایسے بڑے بڑے دانت تھے کہ اُنھیں دیکھکر ڈر معلوم ہوتا تھا۔ اِس مچھلی نے آندر کو دیکھتے ہی اس پر حملہ کیا اور اسکے گوشت میں اپنے دانت اُتار دیئے، آندر تکلیف کے مارے چیخ اُٹھا اور ایسی کروٹیں بدلیں کہ سمندر میں طوفان بپا ہو گیا لیکن اپنے دشمن سے کسی طرح پیچھا نہ چھڑا سکا۔ بہتیرے پلٹے کھائے کبھی سمندر کی تہ میں پہنچتا اور کبھی اوپر اُبھر آتا، مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا، آخر اس مچھلی نے خود ہی آندر کے جسم سے دانت نکال لئے اور اُسے تکلیف سے رہا کر دیا، اب آندر کے سر سے طاقت کا نشہ اُتر گیا اور بھاری بھر کم ہونے کا غرور دور ہو گیا۔

رفتہ رفتہ اس واقعہ کا اثر جاتا رہا گرمی کا موسم شروع ہو جانے کی
وجہ سے اب آندر زیادہ وقت پانی کی سطح پر صرف کرنے لگا، ایک روز
اسی طرح سطح پر تیرتے تیرتے سو گیا، آخر لوہے کی کوئی تیز سی چیز اس کی
کمر میں زور سے چبھی، آندر اکدم نیند سے چونکا "تکلیف کی انتہا نہ تھی،
تڑپ کر نہایت تیزی سے غوطہ مارا اور سمندر کی تہ میں پہنچ گیا اور وہاں بڑی
دیر تک پڑا رہا آخر ہوا کی کمی کی وجہ سے پھر سطح پر آنا پڑا۔ ابکی پھر ایک برچھی سی
پہلو میں اتر گئی پھر اس نے غوطہ مارا مگر اس مرتبہ وہ اپنے دشمنوں سے
پیچھا نہ چھڑا سکا اور اسے مجبوراً اوپر آنا پڑا، اب آندر بے حد کمزور ہو گیا تھا
کیونکہ ان خنجر نما کانٹوں نے بے تحاشا خون بہا دیا تھا، اس کے جسم پر
اسی قسم کا ایک حملہ اور کیا گیا اور اس نے آندر کو بالکل بے دم کر دیا شکاریوں
کو اتنی جلد ایسا زبردست پہاڑ ڈھا لینے کی امید نہ تھی۔

اب کی بار آندر کی روح نے شہد کی مکھی کا جسم اختیار کیا، بہت سی
مکھیاں کہیں چھتہ بنانے کی فکر میں اڑی جا رہی تھیں انھیں میں آندر
بھی شامل تھا، تھوڑی دیر ادھر ادھر اڑنے کے بعد ملکہ مکھی ایک اونچے
پیڑ کی شاخ پر بیٹھ گئی ساری مکھیاں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔ روز صبح کو
باغوں اور کھیتوں میں پھولوں کی تلاش میں جائیں، مکھیاں پہلے پہل تو کچھ
چپکتی ہوئی سی چیز لائیں اور اسے سارے چھتے میں آندر کی طرف پھیلا دیا اسکے

بعد موم لائیں اور اس سے چھوٹے چھوٹے خوبصورت خانے سے بنائے، اِن میں سے تھوڑے سے خانوں کو شہد سے بھر دیا اور انکے مُنہ پر موم کی پتلی سی تہ چڑھا دی، اور خانوں میں ملکہ مکھی نے اپنے انڈے رکھے۔

چھتے کے پاس کھڑے ہوکر دیکھنے سے مکھیوں کا بار بار آنا جانا بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ بڑی چستی اور پھرتی کے ساتھ کچھ مکھیاں چھتے کے باہر جاتی تھیں اور کچھ شہد یا موم لیکر آتیں اور جلدی سے چھتے کے اندر چلی جاتیں۔

انار اس مفید اور کارآمد زندگی سے بے حد خوش تھا۔ صبح کو سب سے پہلے پھولوں کی تلاش میں روانہ ہو جاتا اور شام کو سب کے بعد آتا، جب کبھی بارش ہوتی تو مکھیاں چھتے ہی میں رہتیں اور خانوں کو درست کرتیں اور جو کچھ کام اندر بیٹھ کر کرنے کا ہوتا اُسے پورا کرتیں۔

بہار کا موسم ختم ہونے آیا، مکھیوں نے اپنا چھتا شہد سے بھر لیا تھا، کیونکہ اب کوئی اور خاص کام کرنا باقی نہ تھا اِس لئے وہ زیادہ وقت چھتے کے اندر ہی صرف کرتی تھیں۔

شہد کے ذخیرہ میں سے تھوڑا بہت تو بے شک انکی خوراک میں صرف ہو جاتا تھا لیکن بڑی کفایت شعاری کے ساتھ اس محنت سے جمع کئے ہوئے خزانے میں سے خرچ کیا جاتا تھا، یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی تنہا جاکر اُس میں سے کھالے سب ساتھ ملکر کھاتی تھیں۔

آخر ایک رات جب مکھیاں بے خبر پڑی سو رہی تھیں کچھ لوگ آئے اور شہد نکالنے کے لئے چھتّے کے نیچے آگ جلانی شروع کی، بہت سی مکھیاں جل گئیں، بہت سی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ غرض چھتّہ مکھیوں سے خالی ہو گیا۔ اور آندر کو پھر موت کا سامنا کرنا پڑا۔

اس مرتبہ آندر کُتّے کی جون میں آیا۔ ایک کسان کے گھر رہتا سہتا اور کھیت پر کھلی ہوا میں پھرتا۔ کسان نے اُسے اپنے ایک دوست کو بطور تحفہ کے دیدیا، اُسے کُتّے کی ضرورت تھی۔

آندر دو چار ہی روز میں اپنے موجودہ مالک سے خوب ہل گیا اور گھر بھر اُسے بیحد پیار کرنے لگا۔ جب اِسکی مدد کی ضرورت ہوتی تو وہ شیر کی طرح تیز ہو جاتا لیکن اور کسی کو کچھ نہ کہتا، بچّے اُسے گھسیٹے گھسیٹے پھرتے کبھی اسکے کان کھینچتے کبھی کمر پر سوار ہوتے اور جتنا بھی تنگ کرنا ممکن تھا اُتنا اُسے تنگ کرتے مگر آندر کبھی کچھ نہ کہتا۔

یوں تو اُسکی ہمّت اور بہادری کی آزمائش کے بہت سے موقع نکلے لیکن ایک نہایت اہم وقت اُسکی وفا اور جاں نثاری کا امتحان ہوا، آندر کے مالک کو ایک روز کہیں دیر ہو گئی، وہ رات گئے گھر واپس آرہا تھا کہ گھر کے قریب ہی اس پر تین ہتھیار بند آدمیوں نے حملہ کیا۔ آندر نے اپنے مالک کی آواز پہچان لی اور دوڑ کر اُس کی امداد کے لئے پہنچا اور فوراً اُنہیں سے ایک کی

گردن پکڑلی اور زمین پر پٹک دیا، مالک اس اثنا میں باقی دو لٹیروں کا ایک لاٹھی کی مدد سے مقابلہ کر رہا تھا، انہیں سے ایک لٹیرے نے پستول نکالی اور اُسے چلانے ہی والا تھا کہ آنذر اپنے پہلے شکار کو بیکار کر کے یکایک اسکی طرف پلٹا اور جس ہاتھ میں پستول تھی اُسی میں بُڑک بھر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پستول ہاتھ سے چھوٹ گئی، پستول کو فوراً مالک نے اُٹھالیا، یہ دیکھتے ہی لٹیرا فوراً بھاگ گیا، اب آنذر کا مالک اُس آدمی کی طرف بڑھا جسے آنذر نے دبوچ رکھا تھا اور اُسے گولی کا نشانہ بنایا۔ گولی لٹیرے کے ہاتھ سے پار ہوکر آنذر کے جسم میں گھس گئی، وفادار کتا زمین پر چکرا کر گر پڑا اور تھوڑی دیر تڑپ تڑپ کر جاں بحق تسلیم ہوا، آنذر کے مالک کو جتنا بھی رنج ہوتا کم تھا، ایسا جاں نثار کتا اب نصیب ہونا مشکل ہے۔

ایسی اعلےٰ منش اور بلند حوصلہ ہستی اب بہائم کا جسم اختیار نہ کر سکتی تھی، آنذر نے آنکھ کھولی تو پھر خود کو اپنی اصلی جون میں پایا، برہمن کے سادہ اور معصوم فرائض کی انجام دہی پھر اُس کے سپرد ہوئی، اپنے اُن جنموں کی یاد سے وہ بہت مسرور رہتا تھا، غرض یہ کہ آنذر کے عجیب و غریب تجربات نسل در نسل بیان ہوتے رہے اور ہوتے ہوتے ہم تک پہنچے۔

١٥- نیرنگ حیات

سوہن ایک روز اپنے پڑوس میں شیو ناتھ کے ساتھ کھیلنے گیا،
شیو ناتھ سنگھ کے باپ رائے بہادر لالہ رگھو ناتھ سنگھ ملنسار شہر کے بڑے
رئیسوں میں تھے، شہر کے لوگ بھی انکی عزت کرتے تھے اور حکام بھی۔

شیو ناتھ سوہن کا ہم جماعت بھی تھا اور ہم عمر بھی۔ دونوں ایک ہی
محلّہ میں رہتے تھے اور ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے تھے لیکن کبھی ایسا اتفاق
نہ ہوا تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ اسکول جائیں اور وہاں سے ساتھ ہی واپس
آئیں، آج پہلی مرتبہ سوہن شیو ناتھ کے ساتھ اسکول سے گھر کو واپس آیا،
دروازے پر لالہ رگھو ناتھ سنگھ کھڑے تھے سوہن کو دیکھ کر بولے "تم شیو ناتھ
کے ساتھ کھیلنے کو کبھی نہیں آتے، ابھی کتابیں رکھ کر آنا"۔

سوہن نے گھر آکر اپنی ماں سے کہا کہ آج شیو ناتھ کے لالہ نے مجھے
بلایا ہے، کہتے تھے یہیں آکر اپنے دوست کے ساتھ کھیلا کرو، ماں نے
وہاں جانے کی اجازت دے دی۔

جب سوہن واپس آیا تو ماں نے کہا، بیٹا! بڑی دیر میں آئے، معلوم
ہوتا ہے شیو ناتھ کے گھر کھیل میں تمہارا خوب جی لگا، کہو کیا کیا دیکھا؟
سوہن! اماں شیو ناتھ کے گھر تو میرا بہت جی لگا، اس نے ایسی اچھی

اچھی چیزیں دکھائیں کہ اُنکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ تم دیکھو تو بہت خوش ہو،
اماں دیکھنا! شیو ناتھ کے لئے ایک کمرہ علیحدہ ہے ایک میز الگ ہے
کرسی الگ اور وہاں ایسی اچھی اچھی تصویریں لگ رہی ہیں کہ برابر دیکھتے
رہنے کو جی چاہتا ہے، اسکے پاس بڑے اچھے اچھے کھلونے بھی ہیں، اماں!
تم میرے لئے ایسی ہی عمدہ عمدہ چیزیں کیوں نہیں منگا دیتیں۔

ماں ۔ بیٹا! ہم غریب آدمی ہیں، تمہارے لالہ رائے بہادر رگھناتھ سنگھ
جی کی طرح مالدار اور رئیس نہیں ہیں اگر ہم ایسی چیزوں میں روپیہ صرف کریں
تو کھائیں کیا۔

سوہن ۔ لیکن اماں! میرے لالہ اتنے مالدار کیوں نہیں ہیں جتنے
شیو ناتھ کے لالہ ہیں ؟

ماں ۔ بیٹا! شیو ناتھ کے لالہ کو اِن کے باپ سے بہت بڑی
جایداد ورثہ میں ملی لیکن تمھارے لالہ کو اپنے باپ سے کچھ نہ ملا وہ جو کماتے
ہیں سو کھاتے ہیں۔

سوہن ۔ تو اماں! لالہ کو ورثہ میں کیوں بہت بڑی جائداد نہ ملی،
جیسے شیو ناتھ کے لالہ آدمی ہیں ایسے ہی میرے لالہ بھی آدمی ہیں پھر یہ
کیا بات ہے کہ انھیں جائداد ملی اور اِنھیں نہیں ملی۔

ماں ۔ بیٹا تم نے دیکھا نہیں ہے کہ بہت سے لوگ تمھارے

لالہ سے بھی زیادہ غریب ہیں آخر وہ بھی تو آدمی ہی ہیں، بیچارے سیکڑوں ایسے ہیں جنھیں پیٹ بھر کر روٹی بھی دونوں وقت نہیں ملتی، اب جگنو ہی کو دیکھو، صبح سے شام تک مزدوری کرتا ہے چوٹی کا پسینہ ایڑی تک آتا ہے جب کہیں جاکے شام کو روکھی سوکھی پیٹ میں پڑتی ہے۔

سوہن۔ اماں! جگنوا تو بہت کام کرتا ہے، صبح کو میرے اٹھنے سے پہلے ہی چلا جاتا ہے اور پھر رات کو واپس آتا ہے۔

ماں۔ اب ذرا سوچو تو سہی کہ اس کی بیوی بچے کیسے زندگی بسر کرتے ہونگے، کیا تم پسند کروگے کہ ہم سب جگنوا اور اس کے گھر بار کی طرح رہنے سہنے لگیں۔

سوہن۔ نہیں اماں! ہرگز نہیں، وہ تو بڑے میلے کچیلے ہیں اور بہت بُری طرح رہتے ہیں۔

ماں! یہ لوگ غریب اور ناداری کے ہاتھوں بہت تنگ ہیں نہ پیٹ کو روٹی نصیب ہوتی ہے نہ تن کو کپڑا، مصیبت کی زندگی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی مشہور فرانسیسی شہزادی کی طرح غریبوں کی حالت سے بے خبر ہو۔

سوہن۔ کیسے اماں! فرانسیسی شہزادی نے کیا کیا تھا؟

ماں ۔ فرانس میں ایک سال بڑا کال پڑا، لاکھوں آدمی بھوکوں مر گئے، جب اِس تباہی کی خبر شاہی محل میں پہنچی، اور شہزادیوں نے سُنا تو اُنمیں سے ایک بولی "تو یہ لوگ بھی کیسے بیوقوف ہیں، میں تو کبھی بھوکوں نہ مرتی، زیادہ سے زیادہ پنیر کے ساتھ روٹیاں کھالیا کرتی"۔ یہ سُنکر اُس کی اُستانی نے اُسے بتایا کہ اِس کے باپ کی رعایا کا بڑا حصّہ سادی روٹی کھا کر عمر بسر کرتا ہے اور آجکل قحط کی وجہ سے یہ بھی میسّر نہیں، شہزادی کو کبھی بھول کر بھی ایسا خیال نہ آیا تھا، جب خلقت کی مصیبت کی کہانی سُنی تو اپنے تمام ہیرے جواہر سے جڑے ہوئے زیورات غریبوں کی امداد کے لئے دیدئے، بیٹیا! اسی طرح جہاں تک ہم سے ممکن ہو ہمیں اپنی ضروریات کو کم کرنا چاہیئے اور اگر اپنی ضروریات سے روپیہ بچے تو اُسے غریبوں کی مدد کے لئے دے دینا چاہیئے ۔

سوہن ۔ تو پھر اماں! شیو ناتھ کے لالہ کو ایسی اچھی اچھی اور قیمتی چیزیں نہ رکھنا چاہیئیں ۔ وہ بھی ہمارے ہی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں اور جو روپیہ بچے اُس سے غریبوں کی مدد کریں ۔

ماں ۔ فرض کرو وہ غریبوں کی مدد بھی کر سکتے ہیں اور اس طرح عیش و آرام سے بھی رہ سکتے ہیں، ایسی صورت میں کیوں وہ آرام کی چیزیں نہ رکھیں، فرض کرو بابو لال بنواڑی اور بھورے بڑھئی کے

لڑکے تمھارے نسبت اسی طرح کہیں، تم اُن سے زیادہ اچھا کھاتے ہو، زیادہ اچھا پہنتے ہو، اُن سے زیادہ اچھے کھلونے تمھارے پاس ہیں، بالکل اسی طرح جیسے یہ سب چیزیں تم سے زیادہ اچھی شیونا تھ کے پاس ہیں۔

سوہن ۔ ہاں امّاں میرے پاس اُن دونوں سے اچھے کھلونے بھی ہیں اور کپڑے بھی۔

ماں ۔ اَب تم سمجھ گئے ہوگے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جنکے پاس تم سے بھی کم اچھی چیزیں ہیں، بات یہ ہے کہ ہمارے پاس ہر چیز ہماری حیثیت کے مطابق ہونا چاہیئے، تمھارے لالہ اپنے بچّوں کی معصوم خواہشوں کے پورا کرنیکے لئے آمدنی کا تھوڑا سا حصّہ صرف کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ زیادہ کرنے لگیں تو زندگی کی بہت سی ضروریات فراہم نہ ہو سکیں گی اور بعض بہت ہی ضروری اخراجات میں کمی کرنا ہوگی۔

سوہن ۔ ہاں امّاں میں اب سمجھ گیا، اچھی طرح سمجھ گیا۔

ماں ۔ بیٹا اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو کہ جس حالت میں تم زندگی بسر کر رہے ہو نہایت صابر و شاکر رہ کر زندگی

بسر کرنا چاہئے کہ صرف اس صورت میں خوش وخرم رہ سکتے ہو اور اسی طرح راحت نصیب ہو سکتی ہے ۔

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا